سرمایۂ اُردُو

(قومی نصاب ۲۰۲۳ء (نظر ثانی شدہ) کے مطابق)

11

گیارھویں جماعت کے لیے

پنجاب ایجوکیشن کریکولم، ٹریننگ اینڈ اسسمنٹ اتھارٹی

جملہ حقوق (کاپی رائٹ) بحق پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور محفوظ ہیں۔
یہ کتاب پنجاب ایجوکیشن کریکولم، ٹریننگ اینڈ اسسمنٹ اتھارٹی، لاہور کی تیار کردہ ہے۔ تحریری اجازت کے بغیر اس کتاب کا کوئی حصہ کسی امدادی کتاب، خلاصہ، ماڈل پیپر یا گائیڈ وغیرہ میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔

تجرباتی ایڈیشن

مؤلفین:

- ڈاکٹر محمد خاور نوازش — شعبہ اُردو، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان
- پروفیسر طارق حبیب — شعبہ اُردو زبان و ادب، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا
- پروفیسر محمد ظفر الحق چشتی — صدر شعبہ اُردو (ر)، گورنمنٹ ایم اے او کالج، لاہور
- محمد طاہر صدیقی — سینئر ماہر مضمون (ر)، پنجاب ایگزامینیشن کمیشن، لاہور
- رانا حنان محمود — شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف نارووال، نارووال

اراکین ریویو کمیٹی:

- ڈاکٹر ذی شان تبسم — شعبہ اُردو، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور
- ڈاکٹر میر یوسف میر — چیئرمین شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف آزاد جموں و کشمیر، مظفر آباد
- ڈاکٹر آصف علی چٹھہ — صدر شعبہ اُردو، گورنمنٹ ایم اے او گریجویٹ کالج، لاہور
- پروفیسر محمد اصغر چیمہ — وائس پرنسپل، گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج، گکھڑ، ضلع وزیر آباد
- ڈاکٹر ماریہ امین — شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور
- ڈاکٹر غفور شاہ قاسم — پروفیسر (ر)، شعبہ اُردو، گورنمنٹ ایف سی کالج، لاہور
- مرید حسین اوجلہ — گورنمنٹ ماڈل ہائی سکول، جام پور، ضلع راجن پور
- ڈاکٹر محمد سہیل سرور — ڈپٹی ڈائریکٹر (نصاب)، C&C یونٹ، PECTAA، لاہور
- ڈاکٹر جمیل الرحمٰن — ڈپٹی ڈائریکٹر (ٹیکنیکل)، C&C یونٹ، PECTAA، لاہور

نظرِ ثانی: ڈاکٹر علی محمد خان

نگرانِ طباعت: ڈاکٹر جمیل الرحمٰن　سرفراز احمد فتیانہ　محمد ظہیر کاشر ٹو

ڈائریکٹر کریکولم اینڈ کمپلائنس: عامر ریاض　ڈپٹی ڈائریکٹر (گرافکس): عائشہ صادق　ڈپٹی ڈائریکٹر: صفدر ولید

ڈیزائننگ: منال طارق، علیم الرحمٰن　کمپوزنگ: محمد جمیل کنیرا، محمد اظہر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	شعرا کے نام	صفحہ نمبر
1	حمد	حفیظ تائب	02
2	نعت	سیّد نفیس الحسینی نفیس	06

حصہ نثر

نمبر شمار	عنوانات	اُدبا کے نام	صفحہ نمبر
3	اخلاقِ نبوی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم	علّامہ شبلی نعمانیؒ	12
4	فاقہ میں روزہ	خواجہ حسن نظامی	21
5	مکاتیبِ غالب	اسد اللہ خاں غالبؔ	30
6	ایک اُستاد عدالت کے کٹہرے میں	اشفاق اَحمد	37
7	چارپائی	رشید اَحمد صدیقی	45
8	اور پاکستان بن گیا	خدیجہ مستور	51
9	نیا قانون	سعادت حسن منٹو	60
10	دہلیز	امجد اِسلام امجد	71
11	تاریخ کا کفن	امر جلیل	81
12	پاکستانی زبانیں اور اُن کا باہمی رشتہ	ڈاکٹر ممتاز منگلوری	91

حصہ نظم

نمبر شمار	عنوانات	شعرا کے نام	صفحہ نمبر
13	اے وادیِ لولاب!	علّامہ محمد اقبالؒ	99
14	اودیس سے آنے والے بتا	اختر شیرانی	103
15	آزادی	احسان دانشؔ	108
16	اخلاص	رحمان باباؔ (مترجم: پروفیسر محمد طٰہٰ خاں)	113
17	کھڑا ڈنر	سیّد محمد جعفری	117
18	پتا پتا بُوٹا بُوٹا، حال ہمارا جانے ہے	میر تقی میرؔ	121
19	سر میں سودا بھی نہیں، دل میں تمنّا بھی نہیں	فراق گورکھ پوری	126
20	بے چین بہت پھرنا، گھبرائے ہوے رہنا	منیرؔ نیازی	131
21	سلسلے توڑ گیا وہ سبھی جاتے جاتے	اَحمد فرازؔ	136
22	بادباں کھلنے سے پہلے کا اشارہ دیکھنا	پروین شاکر	140
	فرہنگ (بہ لحاظِ الف بائی ترتیب)		143

ضروری نوٹ:

1۔ ہر سبق کے آغاز میں، اس کے مصنف/ شاعر کا **مختصر تعارف** دیا گیا ہے، جس کا مقصد صرف پس منظری علم فراہم کرنا ہے۔ یہ تعارُف؛ کسی بھی صورت اور کسی بھی انداز میں، سکول/ کالج اور بورڈ کے کسی ٹیسٹ یا امتحان کے کسی سوال کا حصہ قطعاً نہیں ہوگا۔

2۔ بعض اسباق کی مشقوں کے آخر میں نثر، نظم اور غزل کے چند ادب پارے، طلبہ کے ادبی ذوق کو مہمیز دینے کے لیے: **''برائے اضافی مطالعہ''** کے عنوان سے شامل کیے گئے ہیں۔ یاد رہے کہ ان میں سے کسی بھی صورت اور کسی بھی انداز میں کوئی بھی سوال، سکول/ کالج اور بورڈ کے کسی ٹیسٹ یا امتحان کا حصہ قطعاً نہیں ہوگا۔

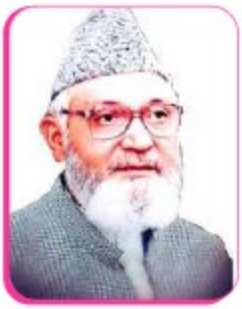

حفیظ تائبؔ

(۱۹۳۱ء۔ ۲۰۰۴ء)

حفیظ تائب کا اصل نام عبدالحفیظ منہاس ہے مگر وہ اپنے قلمی نام حفیظ تائبؔ سے اتنے معروف ہوئے کہ لوگ ان کا اصل نام بھول گئے۔ ان کا آبائی وطن تحصیل وزیر آباد کا ایک نواحی قصبہ احمد نگر ہے جہاں آپ کے والد حاجی چراغ دین منہاس ایک بڑے نیکو کار معلّم اور امام وخطیب کے طور پر جانے جاتے تھے۔ حفیظ تائبؔ نے عربی، فارسی کی بنیادی تعلیم اپنے والد سے اور مڈل تک کی روایتی تعلیم اپنے قصبے کے مڈل سکول سے حاصل کی اور ۱۹۴۷ء میں میٹرک زمیندار ہائی سکول گجرات سے پاس کرنے کے بعد زمیندار کالج گجرات میں پری انجینئرنگ کلاس میں داخلہ لے لیا مگر ان کا طبعی میلان چوں کہ شعروشاعری کی طرف تھا اس لیے کالج کی تعلیم ترک کر دی اور ۱۹۴۷ء تا ۱۹۷۹ء محکمہ برقیات اور واپڈا میں ملازمت کی، اس دوران میں اُردو فاضل اور ایم۔ اے پنجابی کے امتحانات پاس کر لیے۔ بعدازاں جزوقتی استاد کی حیثیت سے پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ پنجابی کے ساتھ منسلک ہو گئے اور یہ سلسلہ ۲۰۰۳ء تک بخیروخوبی جاری رہا۔

حفیظ تائبؔ پنجاب یونیورسٹی کے ساتھ منسلک ہونے سے پہلے بھی ایک مشہور حمد ونعت گو کی حیثیت سے پاکستان اور بیرونِ پاکستان جانے جاتے تھے اور ان کے مداحین ومعدوحین قابلِ رشک تعداد میں موجود تھے۔ وہ اُردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں حمد ونعت اور مناجات کہتے تھے۔

حکومتِ پاکستان نے ان کی خدمات کے اعتراف کے طور پر انھیں ۱۹۹۴ء میں تمغائے حسنِ کارکردگی عطا کیا۔ ان کی بے مثال کارکردگی کے پیشِ نظر لاہور کی ایک اہم شاہراہ کا نام بھی ان سے منسوب کیا گیا ہے۔

حفیظ تائبؔ کے اب تک گیارہ شعری مجموعے چھپ چکے ہیں اور وہ ''کائناتِ حفیظ تائب'' کے نام سے کلیات کی صورت میں بھی شائع ہو چکے ہیں مگر شاملِ نصاب ''حمد'' بھی ایک اعلیٰ پائے کا کلام ہے جس میں لفظوں کی تکرار اس طرح کی گئی ہے کہ یہ تکرارِ لفظی حمد کی شان بن گئی ہے۔

سبق: ۱

حَمد

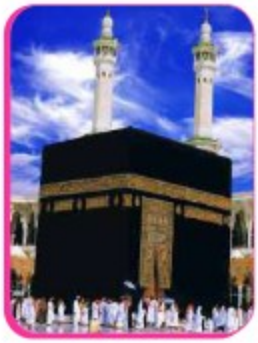

تدریسی مقاصد:

- طلبہ کو حمد کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے آگاہ کرنا۔
- طلبہ کو قرآن وسنّت کی تعلیمات سے آگاہ کرنا اور ان کی اسلامی معلومات میں اضافہ کرنا۔
- طلبہ کی کردار سازی کرنا اور زندگی میں اخلاقی اصولوں، نیک اعمال کی اہمیّت کو اجاگر کرنا۔
- طلبہ میں اسلامی اتحاد اور محبت کے احساسات میں اضافہ کرنا۔

کس کا نظام راہ نما ہے اُفُق اُفُق
کس کا دوام گونج رہا ہے اُفُق اُفُق

شانِ جلال کس کی عیاں ہے جَبل جَبل
رنگِ جمال کس کا جما ہے اُفُق اُفُق

کس کے لیے نُجوم بکف ہے روِش روِش
بابِ شہود کس کا کُھلا ہے اُفُق اُفُق

کس کے لیے سُرودِ صبا ہے چمن چمن
کس کے لیے نمودِ ضیا ہے اُفُق اُفُق

مکتوم کس کی موجِ کرم ہے صدَف صدَف
مرقوم کس کا حرفِ وفا ہے اُفُق اُفُق

کس کی طلب میں اہلِ محبت ہیں داغ داغ
کس کی ادا سے حشر بپا ہے اُفُق اُفُق

سوزاں ہے کس کی یاد میں تابؔ نَفَس نَفَس
فُرقت میں کس کی ، شعلہ نوا ہے اُفُق اُفُق

(کائنات حفیظ تابؔ)

مشق

۱۔ مختصر جواب دیں۔

(الف) حفیظ تائب کی شاعری کے بنیادی موضوعات کیا ہیں؟

(ب) حفیظ تائب کی وجہِ شہرت شاعری کی کون کون سی اصناف ہیں؟

(ج) حرفِ وفا اُفق اُفق مرقوم کرنے کا مطلب کیا ہے؟

(د) شانِ جلال اور رنگِ جمال سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

(ہ) اس نظم کی ہیئت کیا ہے؟ وضاحت کریں۔

۲۔ حوالوں کے ساتھ درج ذیل اشعار کی تشریح کریں:

کس کا نظام راہ نما ہے اُفق اُفق
کس کا دوام گونج رہا ہے اُفق اُفق
شانِ جلال کس کی عیاں ہے جَبل جَبل
رنگِ جمال کس کا جما ہے اُفق اُفق

۳۔ طلبہ باری باری بلند آواز میں ایک ایک شعر دُرست تلفّظ اور لب و لہجہ کے ساتھ پڑھیں اور ان اشعار میں موجود اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نشانات پر تبصرہ کریں۔

۴۔ درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) اُفق اُفق راہ نما ہے:

(الف) نظام (ب) دوام (ج) نام (د) جام

(ii) جبل جبل عیاں ہے:

(الف) جمال (ب) کمال (ج) جلال (د) قال

(iii) اُفق اُفق مرقوم ہے:

(الف) حرف و معنی (ب) لفظ لفظ (ج) وفا (د) حرفِ وفا

(iv) اللہ کی محبّت میں داغ داغ ہیں:

(الف) اہلِ عقیدت (ب) اہلِ محبّت (ج) اہلِ ثروت (د) اہلِ شریعت

(v) شعلہ نوائی کا سبب ہے:

(الف) محبّت (ب) وصال (ج) فرقت (د) دیدار

۵۔ لغت کی مدد سے درج ذیل الفاظ کے معانی تلاش کریں اور اِعراب لگا کر دُرست تلفُّظ واضح کریں:

نجوم　　شہود　　نفس　　مکتوم

فرقت　　مرقوم　　حشر

اصناف شعری (موضوع کے اعتبار سے):

حمد: جس نظم میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، ربوبیت، یکتائی اور دیگر صفات کا بیان ہو۔

نعت: جس نظم میں سرکارِ دو عالم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان و شوکت، اوصاف و افعال کا بیان ہو۔

منقبت: جس نظم میں اہلِ بیت، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم، اولیائے عظام، بزرگانِ دین یا کسی معروف شخصیت کے اوصاف بیان کیے جائیں۔

مناجات: جس نظم میں اللہ کے حضور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے رقّت انگیز انداز میں التجائیں اور دعائیں کی جائیں۔

۶۔ اصناف شعری کی درج بالا وضاحت کی روشنی میں اِن اصناف کی مثالیں تلاش کریں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ:

- حَمدیہ کلام ترنّم سے پڑھنے کے مقابلے میں حصّہ لیں۔
- حَمدیہ اشعار پر مبنی چارٹ بنائیں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام:

- طلبہ کو اُردو شاعری میں حَمد نگاری کی تاریخ اور روایت سے آگاہ کریں۔
- حفیظ تائبؔ کی شاعرانہ خصوصیات اور انفرادیت کے بارے میں بتائیں۔

سیّد نفیس الحسینی نفیسؔ
(۱۹۳۳ء۔۲۰۰۸ء)

سیّد انور حسین؛ المعروف سیّد نفیس الحسینی نفیس، "سیّد القلم" اور "نفیس رقم" کے نام سے بھی جانے جاتے تھے۔ آپ نے اپنی زندگی میں سولہ مرتبہ قرآنِ پاک کی کتابت کی۔ آپ کی جائے ولادت تحصیل ڈسکہ میں موضع گھوڑیالہ ہے اور آپ کا سلسلۂ نسب پندرہ واسطوں سے حضرت خواجہ گیسودرازؒ تک پہنچتا ہے۔ آپ نے اپنے نواحی گاؤں بھوپال والا سے ۱۹۴۶ء میں مڈل، سٹی مسلم ہائی سکول لائل پور (فیصل آباد) سے ۱۹۴۸ء میں میٹرک، گورنمنٹ کالج فیصل آباد سے ۱۹۵۰ء میں ایف۔اے اور ۱۹۵۳ء میں اورینٹل کالج لاہور سے منشی فاضل کے امتحانات پاس کیے۔

سیّد انور حسین کا گھرانا فنِ خطاطی کا مرکز تھا اور آپ کو چھوٹی عمر ہی سے خطّاطی کا شوق تھا۔ آپ کے والد صاحب جب خطاطی کرتے تو آپ ان کے دائیں جانب کھڑے ہو جاتے اور انھیں کتابت یا خطّاطی کرتے دیکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ سکول کے ابتدائی دور میں آپ کی لکھائی ہم جماعت طلبہ سے بہت اچھی تھی اور وہ آپ سے اپنی کاپیوں پر اپنا نام لکھواتے تھے۔ اس حوالے سے آپ کا آبائی پیشہ خطاطی تھا۔

اس ضمن میں آپ نے بذاتِ خود نسخ، خطِ نستعلیق، خطِ دیوانی، خطِ ثلث، خطِ رقاع اور خطِ کوفی میں متعدد فن پاروں کے علاوہ کلامِ اقبالؒ پر نستعلیقِ جلی میں بڑے دل کش انداز میں خطاطی کے فن پارے تخلیق کیے جو ایوانِ اقبالؒ میں آویزاں ہیں۔ آپ کو عجائب گھر لاہور اور خانہ کعبہ کے دروازے پر بھی خطاطی کرنے کا شرف حاصل ہے۔ اسی بنا پر حکومتِ پاکستان کی طرف سے آپ کے فن کے اعتراف میں ۱۹۸۶ء میں پرائیڈ آف پرفارمنس کا اعزاز حاصل ہوا۔

سیّد نفیس الحسینی نفیسؔ کا میلانِ طبع اوائل عمری ہی سے شاعری کی طرف تھا۔ اس ضمن میں ان کے تین نعتیہ شعری مجموعے "گلہائے نقش"، "برگِ گل" اور "نفائس النبیؐ" جن کی کتابت بھی آپ نے خود کی تھی، بڑے اہتمام سے شائع ہوئے۔ ان تینوں مجموعوں کا تمام تر کلام عشق و عقیدت کے جذبات سے لبریز ہے۔ "برگِ گل" میں حمد و نعت، ساقیِ کوثر، تجھ سا کوئی نہیں، یا رسول اللہ صلّی اللہ علیکَ، یادِ مدینہ، ارمغانِ مدینہ، انوارِ مدینہ، آرزوئے حسرت، صحنِ حرم، پیام آ ہی گیا اور میں تو اس قابل نہ تھا، جیسا کلام شامل ہے جو عشق و محبت کے وفورِ جذبات کا حامل ہے۔

سبق: ۲

نَعت

تدریسی مقاصد:

- نَعت کے لغوی و اصطلاحی معنی سے آگاہ کرتے ہوئے صنفِ نَعت گوئی کی روایت اور ارتقا کا جائزہ لینا۔
- طلبہ کو نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور سنّت کے بارے میں بتانا۔
- طلبہ کو نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کی روشنی میں اپنے کردار کو ڈھالنے کی ترغیب دینا۔
- طلبہ کو سیّد نفیس الحسینی نفیسؔ کے نعتیہ اُسلوب کی امتیازی خصوصیات سے روشناس کرانا۔

اے رسولِ امیںؐ ، خاتم المُرسلیںؐ، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں
ہے عقیدہ یہ اپنا بہ صِدق و یقیں، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

اے براہیمی و ہاشمی خوش لقب، اے تُوؐ عالی نَسَب، اے تُو والا حَسَب
دُودمانِ قریشی کے دُرِّ ثمیں، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

بزمِ کونین پہلے سجائی گئی، پھر تری ذات منظر پہ لائی گئی
سیّدُ الاوّلیں، سیّدُ الآخریں، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

''سِدرۃُ المنتہیٰ'' رہگزر میں تری ، ''قابَ قوسین'' گردِ سفر میں تری
تُو ہے حق کے قریں، حق ہے تیرے قریں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

کہکشاں ضَو ترے سرمدی تاج کی، زُلفِ تاباں حسیں رات معراج کی
''لیلۃُ القدر'' تیری مُنوّر جبیں، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

مصطفیٰؐ مجتبیٰؐ ، تیری مدح و ثنا ، میرے بس میں نہیں ، دسترس میں نہیں
دل کو ہمّت نہیں ، لب کو یارا نہیں، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

چار یاروں کی شانِ جلی ہے بھلی، ہیں یہ صدیقؓ ، فاروقؓ، عثمانؓ ، علیؓ
شاہدِ عدل ہیں یہ ترے جانشیں، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

اے سراپا نفیسؔ انفسِ دوجہاں، سرورِ دلبراں ، دلبرِ عاشقاں
ڈھونڈتی ہے تجھے میری جانِ حزیں، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

(برگِ گل)

مشق

۱۔ مختصر جواب دیں:

(الف) رسولِ امیں ﷺ اور خاتم المرسلیں ﷺ کس عظیم ہستی کو کہا جاتا ہے؟

(ب) ''سدرۃُ المنتہیٰ'' اور ''قابَ قوسین'' سے کیا مراد ہے؟

(ج) آپ ﷺ کے نسب کے حوالے سے شاعر نے کیا کہا ہے؟

(د) شاعر نے رسولِ پاک ﷺ کے کس سفر کے بارے میں کیا کہا ہے؟

(ہ) شاعر نے رسولِ پاک ﷺ کی مدح و ثنا میں کون کون سے الفاظ بہ طور قافیہ استعمال کیے ہیں؟

۲۔ درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) یہ نعت ہیئت میں لکھی گئی ہے:

(الف) غزل کی (ب) مخمس کی (ج) مُسدّس کی (د) مثنوی کی

(ii) نعت کے اشعار میں صنعت نمایاں ہے:

(الف) صنعتِ تضمین (ب) صنعتِ مراعات النظیر (ج) صنعتِ تکرار (د) صنعتِ لف ونشر

(iii) ''سکہ رواں ہونا'' اُردو قواعد کی رُو سے ہے:

(الف) ضرب المثل (ب) روزمرّہ (ج) محاورہ (د) کنایہ

(iv) ''رسولِ امیں'' اُردو قواعد کی رُو سے ہے:

(الف) مرکّبِ عطفی (ب) مرکّبِ اضافی (ج) مرکّبِ توصیفی (د) مرکّبِ عددی

(v) نعت کے چوتھے شعر میں صنعت استعمال ہوئی ہے:

(الف) صنعتِ تجنیس (ب) صنعتِ تضاد (ج) صنعتِ تلمیح (د) صنعتِ حُسنِ تعلیل

(vi) یہ نعت شاعر کے مجموعۂ شاعری سے لی گئی ہے:

(الف) ''گلہائے نعت'' سے (ب) ''صلّوعلیہ وآلہٖ'' سے (ج) ''برگِ گل'' سے (د) ''نفائس النبیؐ'' سے

۳۔ اس نعت میں استعمال ہونے والی تراکیب کی نشان دہی کریں۔

۴۔ نعتیہ متن کے اہم نِکات کو سمجھتے ہوئے نعت کا خلاصہ تحریر کریں۔

تلمیح: جب کلام میں کسی تاریخی، قرآنی، مذہبی یا کسی سماجی واقعہ کو چند لفظوں میں اشارۃً یوں بیان کیا جائے کہ سارا واقعہ تازہ ہو جائے تو اس کو تلمیح کہتے ہیں۔ مثلاً: درج ذیل اشعار میں ابنِ مریم اور چاہِ یوسف کی تلمیحات استعمال ہوئی ہیں:

ابنِ مریمؑ ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

(غالبؔ)

❁

آ رہی ہے چاہِ یوسفؑ سے صدا
دوست یاں تھوڑے ہیں اور بھائی بہت

(حالیؔ)

۵۔ زیرِ مطالعہ نعت میں استعمال ہونے والی تلمیحات کی نشان دہی کرتے ہوئے ان کی وضاحت کریں۔

۶۔ شعری محاسن کی روشنی میں درج ذیل اشعار کی تشریح کریں:

مصطفیٰؐ مجتبیٰؐ، تیری مدح و ثنا، میرے بس میں نہیں، دسترس میں نہیں
دل کو ہمت نہیں، لب کو یارا نہیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
اے سراپا نفیسؐ انفسِ دوجہاں، سرورِ دلبراں، دلبرِ عاشقاں
ڈھونڈتی ہے تجھے میری جانِ حزیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

۷۔ سمعی و بصری ذرائع سے کسی معروف شاعر کی کوئی نعت پڑھیں اور اس پر تبصرہ کریں۔

۸۔ درج ذیل نعت کے اشعار درست تلفظ اور لب و لہجہ کے ساتھ پڑھیں اور ان کے معانی پر غور کرتے ہوئے اپنی زندگی کے لیے رہ نمائی حاصل کریں:

تُوؐ مقصدِ تخلیق ہے تُوؐ حاصلِ ایماں
جو تجھ سے گریزاں وہ خدا سے ہے گریزاں
کردار کا یہ حال صداقت ہی صداقت
اخلاق کا یہ رنگ کہ قرآن ہی قرآں
اشکوں سے ترے دِین کی کھیتی ہوئی سیراب
فاقوں نے ترے دہر کو بخشا سر و ساماں

(ماہرؔ القادری)

نظم بہ لحاظ ہیئت: (غزل، مخمس، مسدّس)

غزل: غزل کے تمام اشعار آپس میں ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ پہلا شعر مطلع ہوتا ہے جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ باقی تمام اشعار کا مصرعِ ثانی مطلع سے ہم قافیہ ہوتا ہے۔ آخری شعر جس میں شاعر کا تخلص ہو، مقطع کہلاتا ہے۔ شاملِ نصاب نعت غزل کی ہیئت میں لکھی گئی ہے۔

مخمس: ایسی نظم ہے جس کے ہر بند میں پانچ مصرعے ہوتے ہیں۔

مسدّس: ایسی نظم جس کے ہر بند میں چھے مصرعے ہوتے ہیں۔

علاّمہ اقبالؒ کے درج ذیل نعتیہ اشعار مسدّس کی ہیئت میں ہیں:

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنّم بھی نہ ہو
چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسّم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو، خُم بھی نہ ہو
بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو، تُم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا اِستادہ اِسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اِسی نام سے ہے

(جوابِ شکوہ: بانگِ درا)

۹۔ شاملِ نصاب نعت میں ایک شعر میں یارانِ نبیؐ کی توصیف بیان کی گئی ہے اس کی وضاحت کریں اور چاروں یارانِ نبیؐ کی خصوصی صفات بیان کریں۔

۱۰۔ درج ذیل الفاظ کا تلفّظ اِعراب کے ساتھ واضح کریں:

عقیدہ لقب حسب دودمان درثمین منظر قوسین کہکشاں

سرگرمیاں برائے طلبہ:

- کالج میں اس نعت کو تحت اللّفظ پڑھنے کے مقابلے میں حصّہ لیں۔
- علاّمہ اقبالؒ کے نعتیہ کلام کو ترنّم سے پڑھنے کے مقابلے کا کلاس میں اہتمام کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام:

- طلبہ کو اُردو میں نعت گوئی اور نعت خوانی کی روایت کے بارے میں معلومات فراہم کریں۔
- طلبہ کو نعت میں مذکور صفات النبیؐ کے ذریعے سے اپنے کردار و عمل اور اخلاق کو سنوارنے کی تلقین کریں۔
- شاملِ نصاب نعت کی بلند خوانی کریں اور وضاحت طلب پہلوؤں کی وضاحت کریں۔

حصّہ نثر

شبلی نعمانیؒ

(۱۸۵۷ء-۱۹۱۴ء)

اصل نام محمد شبلی تھا مگر شبلی نعمانی کے نام سے مشہور ہوئے۔ موضع بندول ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد شیخ حبیب اللہ وکالت کرتے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں پائی پھر اعظم گڑھ، غازی پور، سہارن پور اور لاہور میں تعلیم مکمل کی۔ وکالت کا امتحان بھی پاس کیا لیکن اس پیشے میں ان کا جی نہ لگا۔ علی گڑھ گئے جہاں سر سیّد احمد خاں نے انھیں عربی اور فارسی کا استاد مقرر کر دیا وہاں وہ سولہ برس تک پڑھاتے رہے۔ یہاں سے ان کی زندگی کا نیا دور شروع ہوا۔ علی گڑھ میں پروفیسر تھامس آرنلڈ سے فرانسیسی سیکھی اور انھیں عربی سکھائی۔ سر سیّد کی وفات کے بعد علی گڑھ سے حیدر آباد دکن چلے گئے جہاں وہ چار سال تک ناظمِ تعلیمات کے عہدے پر فائز رہے۔ وہاں سے پھر واپس لکھنؤ آ گئے اور دار العلوم ''ندوہ'' سے وابستہ ہوئے۔ آخری دور میں اختلافات کے سبب ندوہ سے بھی علاحدہ ہو گئے اور اعظم گڑھ میں ''دار المصنفین'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جہاں سے اعلیٰ درجے کی کئی ایک کتابیں شایع کیں۔

شبلی نعمانی ایک جامع الصّفات شخصیت تھے۔ مفکّر، مؤرّخ، ناقد، فقیہ، مصلح، واعظ کے علاوہ شاعر اور صاحبِ ذوق شخصیت کے مالک تھے۔ اُردو ادب میں ان کی کتابوں کا رتبہ بہت بلند ہے۔ ان کی اہم کتابوں میں ''المامون''، ''سیرۃ النعمان''، ''الفاروق''، ''الغزالی''، ''موازنۂ انیس و دبیر'' اور ''شعر العجم'' نمایاں ہیں۔ زندگی کے آخری دور میں ان کی تمام تر توجّہ ''سیرت النبیؐ'' پر مرکوز رہی جو کہ اُردو سیرت نگاری میں ان کا اہم کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ کتاب انھوں نے اپنی عمر کے آخری حصّے میں لکھنا شروع کی تھی مگر وہ اس کی دو جلدیں ہی مکمل کر پائے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا اور باقی ماندہ جلدیں اُنھیں کے فراہم کردہ مواد سے ان کے شاگردِ خاص سیّد سلیمان ندوی نے مکمل کیں۔ زیرِ نظر اقتباس اسی کتاب (جلد دوم) سے لیا گیا ہے۔

شبلی کا اندازِ تحریر شگفتہ، رواں اور مدلّل ہے۔ ان کی تحریروں میں شوخی و حسن بھی ہے اور فکر کی گہرائی بھی۔ ان کے ہاں فارسی و عربی کے الفاظ اور تراکیب کثرت سے استعمال ہوتے ہیں جو سادہ، عام فہم اور شستہ ہونے کی وجہ سے ہیں اور عبارت کے حسن میں اضافہ کرتے ہیں۔

سبق: ۳

اخلاقِ نبوی خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ

تدریسی مقاصد:

- طلبہ کو مولانا شبلی نعمانیؒ کی سیرت نگاری، اسلامی تاریخ اور ثقافت کے اہم پہلوؤں سے رُوشناس کرانا۔
- طلبہ کو تاریخی تحقیق کے اصول اور طریقہ ہائے کار کے بارے میں آگاہ کرنا۔
- طلبہ کی اخلاقی تربیت کرنا اور ان کے مذہبی، دینی شعور میں اضافہ کرنا۔

مُداومَتِ عمل:

اخلاق کا سب سے مقدم اور ضروری پہلو یہ ہے کہ انسان جس کام کو اختیار کرے اس پر اس قدر اِستقلال کے ساتھ قائم رہے کہ گویا وہ اس کی فطرتِ ثانیہ بن جائے۔ انسان کے سوا تمام دنیا کی مخلوق صرف ایک ہی قسم کا کام کر سکتی ہے اور وہ فطرتاً اس پر مجبور ہے۔ اخلاق کا ایک دقیق نکتہ یہ ہے کہ انسان اپنے لیے اخلاقِ حسنہ کا جو پہلو پسند کرے اس کی اس شدت سے پابندی کرے اور اس طرح دائمی اور غیر مُتبدّل طریقے سے اس پر عمل کرے کہ گویا وہ اپنے اختیار کے باوجود اس کام کے کرنے پر مجبور ہے اور لوگ دیکھتے دیکھتے یہ یقین کر لیں کہ اس شخص سے اس کے علاوہ اور کوئی بات سرزد ہو ہی نہیں سکتی۔ گویا اس سے یہ افعال اس طرح صادر ہوتے ہیں جیسے آفتاب سے روشنی، درخت سے پھل، پھول سے خوشبو، کہ یہ خصوصیات ان سے کسی حالت میں الگ نہیں ہو سکتیں۔ اس کا نام استقامتِ حال اور مداومتِ عمل ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ اپنے تمام کاموں میں اسی اُصول کی پابندی فرماتے تھے، جس کام کو جس طریقہ سے جس وقت آپ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے شروع فرمایا اس پر برابر شدت کے ساتھ قائم رہتے تھے۔ سُنّت کا لفظ ہماری شریعت میں اسی اصول سے پیدا ہوا ہے۔ سنت وہ فعل ہے، جس پر حضرت محمد رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ہمیشہ مداومت فرمائی ہے اور بغیر کسی قوی مانع کے کبھی اس کو ترک نہیں فرمایا۔ اس بنا پر جس قدر سنن ہیں وہ درحقیقت آپ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی استقامتِ حال اور مداومتِ عمل کی ناقابلِ انکار مثالیں ہیں۔

حُسنِ خُلق:

معمول یہ تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت ہمیشہ پہلے خود سلام اور مصافحہ فرماتے، کوئی شخص جھک کر آپ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے کان میں کچھ بات کہتا تو اس وقت تک اس کی طرف سے رُخ نہ پھیرتے، جب تک وہ خود مُنھ نہ ہٹائے۔ مصافحہ میں بھی یہی معمول تھا، یعنی کسی سے ہاتھ ملاتے تو جب تک وہ خود نہ چھوڑ دے، اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے۔ مجلس میں بیٹھتے تو آپ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے زانو کبھی ہم نشینوں سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے۔ اکثر نوکر چاکر، غلام، خدمتِ اقدس میں پانی لے کر آتے کہ آپ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ اس میں ہاتھ ڈال دیں تاکہ متبرک ہو جائے۔ جاڑوں کے دن اور صبح کا وقت ہوتا، تاہم آپ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کبھی انکار نہ فرماتے۔

مجالسِ صحبت میں لوگوں کی ناگوار باتوں کو برداشت فرماتے اور اس کا اظہار نہ کرتے۔ کسی شخص کی کوئی بات ناپسند آتی تو اکثر اس کے

سامنے اس کا تذکرہ نہ فرماتے۔ ایک دفعہ ایک صاحب عرب کے دستور کے مطابق زعفران لگا کر خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے کچھ نہ فرمایا۔ جب وہ اٹھ کر چلے گئے تو لوگوں سے کہا کہ ان سے کہ دینا کہ یہ رنگ دھو ڈالیں۔

مسجدِ نبویؐ میں جگہ بہت کم ہوتی تھی، جو لوگ پہلے سے آ کر بیٹھ جاتے تھے، ان کے بعد جگہ باقی نہیں رہتی تھی۔ ایسے موقع پر اگر کوئی آجاتا تو اس کے لیے آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم خود اپنی ردائے مبارک بچھا دیتے تھے۔ کسی کی بات بُری معلوم ہوتی تو مجلس میں نام لے کر اس کا ذکر نہیں کرتے تھے بلکہ صیغۂ تعمیم کے ساتھ فرماتے تھے کہ لوگ ایسا کرتے ہیں، لوگ ایسا کہتے ہیں، بعض لوگوں کی یہ عادت ہے۔ یہ طریقۂ ابہام اس لیے فرماتے تھے کہ شخصِ مخصوص کی ذلّت نہ ہو اور اس کے احساسِ غیرت میں کمی نہ آئے۔

ایثار:

آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اخلاق و عادات میں جو وصف سب سے زیادہ نمایاں اور جس کا اثر ہر موقع پر نظر آتا تھا، وہ ایثار تھا۔ اولاد سے آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کو بے انتہا محبت تھی اور ان میں حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس قدر عزیز تھیں کہ جب آتیں، فرطِ محبت سے کھڑے ہو جاتے، پیشانی کو بوسہ دیتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے تاہم حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عُسرت اور تنگ دستی کا یہ حال تھا کہ گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی، خود چکی پیستیں اور خود ہی پانی کی مشک بھر لاتیں۔ چکّی پیتے پیتے ہتھیلیاں گھِس گئی تھیں۔ ایک دن خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں، خود تو پاسِ حیا سے عرضِ حال نہ کر سکیں، جنابِ امیر (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) نے ان کی طرف سے یہ حال عرض کیا اور درخواست کی کہ فلاں غزوہ میں جو کنیزیں آئی ہیں ان میں سے ایک کنیز مل جائے۔ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا، ابھی اصحابِ صُفّہ کا انتظام نہیں ہوا اور جب تک ان کا بندوبست نہ ہو لے مَیں اور طرف توجہ نہیں کر سکتا۔

تواضُع:

گھر کا کام کاج خود کرتے، کپڑوں میں پیوند لگاتے، گھر میں خود جھاڑو دیتے، دودھ دوہ لیتے، بازار سے سودا لاتے، جُوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے، گدھے کی سواری سے آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کو عار نہ تھی، غلاموں اور مسکینوں کے ساتھ بیٹھنے اور ان کے ساتھ کھانا کھانے سے پرہیز نہ تھا۔ ایک دفعہ گھر سے باہر تشریف لائے؛ لوگ تعظیم کو اُٹھ کھڑے ہوئے، فرمایا کہ اہلِ عجم کی طرح تعظیم کے لیے نہ اُٹھو۔ غریب سے غریب بیمار ہوتا تو عیادت کو تشریف لے جاتے۔ مفلسوں اور فقیروں کے ہاں جا کر ان کے ساتھ بیٹھتے۔ صحابہؓ کے ساتھ بیٹھتے تو اس طرح بیٹھتے کہ امتیازی حیثیت کی بنا پر کوئی آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کو پہچان نہ سکتا۔ کسی مجمع میں جاتے تو جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے۔ ایک دفعہ ایک شخص ملنے آیا لیکن نبوّت کا اس قدر رعب طاری ہوا کہ کانپنے لگا۔ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں، میں فرشتہ نہیں ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں، جو سوکھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی۔

بچّوں پر شفقت:

بچّوں پر نہایت شفقت فرماتے تھے۔ معمول تھا کہ سفر سے تشریف لاتے تو راہ میں جو بچّے ملتے ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ سواری

پر آگے پیچھے بٹھاتے۔ راستے میں بچّے ملتے تو ان کو خود سلام کرتے۔

ایک دن حضرت خالد بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدمتِ اقدس میں آئے۔ ان کی چھوٹی لڑکی بھی ساتھ تھی اور سرخ رنگ کا کُرتا بدن پر تھا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا، سَنہ سَنہ۔ حبشی زبان میں حسنہ کو سَنہ کہتے ہیں۔ چوں کہ ان کی پیدائش حبش میں ہوئی تھی اس لیے آپ خاتم النبیین ﷺ نے اس مناسبت سے حبشی تلفّظ میں حسنہ کے بجائے سَنہ کہا۔

یہ محبت اور شفقت مسلمان بچّوں تک محدود نہ تھی بلکہ مشرکین کے بچّوں پر بھی اسی طرح لُطف فرماتے تھے۔ ایک دفعہ ایک غزوہ میں چند بچّے جھپٹ میں آکر مارے گئے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کو خبر ہوئی تو نہایت آزردہ ہوئے۔ ایک صاحب نے کہا: ''یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ! وہ مشرکین کے بچّے تھے۔'' آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''مشرکین کے بچّے بھی تم سے بہتر ہیں، خبردار! بچّوں کو قتل نہ کرو، ہر جان خدا ہی کی فطرت پر پیدا ہوتی ہے۔''

معمول تھا کہ جب فصل کا نیا میوہ کوئی خدمتِ اقدس میں پیش کرتا تو حاضرین میں جو سب سے زیادہ کم عمر بچّہ ہوتا اس کو عنایت فرماتے۔ بچّوں کو چومتے اور ان کو پیار کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ خاتم النبیین ﷺ اسی طرح بچّوں کو پیار کر رہے تھے کہ ایک بدوی آیا، اس نے کہا: ''آپ لوگ بچّوں کو پیار کرتے ہیں، میرے دس بچّے ہیں مگر اب تک مَیں نے کسی کو پیار نہیں کیا۔'' آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اگر تمھارے دل سے محبت کو چھین لے تو میں کیا کروں؟''

لُطفِ طبع:

کبھی کبھی ظرافت کی باتیں فرماتے۔ ایک دفعہ حضرت اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پکارا تو فرمایا ''او دو کان والے۔'' اس میں ایک نکتہ یہ بھی تھا کہ حضرت اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت اطاعت شِعار تھے اور ہر وقت آپ خاتم النبیین ﷺ کے ارشاد پر کان لگائے رکھتے تھے۔ حضرت اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چھوٹے بھائی کا نام ابوعمر تھا، وہ کم سِن تھے اور ایک ممولا پال رکھا تھا کہ اتفاق سے وہ مر گیا۔ ابوعمر کو بہت رنج ہوا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ان کو غم زدہ دیکھا تو فرمایا: ''ابوعمر! تمھارے ممولے نے یہ کیا کیا؟''

ایک شخص نے عرض کی کہ مجھ کو کوئی سواری عنایت ہو۔ ارشاد ہوا کہ میں تم کو اونٹنی کا بچہ دوں گا۔ انھوں نے کہا: ''یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ! میں اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں گا؟'' آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ کوئی اونٹ ایسا بھی ہوتا ہے جو اونٹنی کا بچہ نہ ہو؟

ایک بُڑھیا خدمتِ اقدس میں آئی کہ حضور خاتم النبیین ﷺ میرے لیے دعا فرمائیں کہ مجھے بہشت نصیب ہو۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ بوڑھی عورتیں بہشت میں نہیں جائیں گی۔ اس کو بہت صدمہ ہوا اور روتی ہوئی واپس چلی گئی۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم سے فرمایا کہ اسے کہ دو کہ بوڑھی عورتیں جنّت میں جائیں گی لیکن جوان ہو کر جائیں گی۔

ایک بدوی صحابی تھے جن کا نام زاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔ وہ دیہات کی چیزیں آپ خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا کرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ شہر میں آئے۔ گاؤں سے جو چیزیں لائے تھے ان کو بازار میں فروخت کر رہے تھے۔ اتفاقاً آپ خاتم النبیین ﷺ ادھر سے گزرے۔ حضرت زاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے جا کر ان کو گود میں دبا لیا۔ انھوں نے کہا: ''کون ہے؟ چھوڑ دو۔'' مڑ کر دیکھا تو

سرورِ عالم ﷺ تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی اس غلام کو خریدتا ہے؟'' بولے: ''یارسول اللہ ﷺ! مجھ جیسے غلام کو جو شخص خریدے گا نقصان اٹھائے گا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''لیکن خدا کے نزدیک تمھارے دام زیادہ ہیں۔''

ایک شخص نے آکر شکایت کی کہ میرے بھائی کے شکم میں گرانی ہے۔ فرمایا: ''شہد پلاؤ'' وہ دوبارہ آئے کہ شہد پلایا لیکن شکایت اب بھی باقی ہے۔ آپ ﷺ نے پھر شہد پلانے کی ہدایت کی۔ سہ بارہ آئے، پھر وہی جواب ملا۔ چوتھی بار آئے تو فرمایا: ''خدا سچّا ہے، شہد میں شفا ہے لیکن تمھارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے، جا کر شہد پلاؤ۔'' اب کی بار پلایا تو شِفا ہوگئی۔ معدہ میں مادۂ فاسد کثرت سے موجود تھا جب پورا اِستفراغ ہوگیا تو گرانی جاتی رہی۔

اولاد سے محبّت:

اولاد سے نہایت محبت تھی۔ معمول تھا کہ جب کبھی سفر فرماتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جاتے اور سفر سے واپس آتے تو جو شخص سب سے پہلے باریاب خدمت ہوتا وہ بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی ہوتیں۔ ایک دفعہ کسی غزوہ میں گئے۔ اسی اثنا میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دونوں صاحبزادوں (حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنھم) کے لیے چاندی کے کنگن بنوائے اور دروازے پر پردے لٹکائے۔ آنحضرت ﷺ واپس تشریف لائے تو خلافِ معمول حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر نہیں گئے۔ وہ سمجھ گئیں، فوراً پردوں کو چاک کر ڈالا اور صاحبزادوں کے ہاتھ سے کنگن اُتار لیے۔ صاحبزادے روتے ہوئے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے کنگن لے کر بازار میں بھیج دیے کہ ان کے بدلے ہاتھی دانت کے کنگن لادو۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب آپ ﷺ کی خدمت میں تشریف لاتیں تو آپ ﷺ کھڑے ہوجاتے، ان کی پیشانی کو چومتے اور اپنی نشست گاہ سے ہٹ کر اپنی جگہ بٹھاتے۔ حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنھم سے بے انتہا محبت تھی، فرماتے تھے کہ یہ میرے گل دستے ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے تو فرماتے کہ میرے بچّوں کو لانا۔ وہ صاحبزادوں کو لاتیں، آپ ﷺ ان کو چومتے اور سینہ سے لپٹاتے۔ ایک دفعہ مسجد میں خطبہ فرما رہے تھے۔ اتّفاق سے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرخ کپڑے پہنے ہوئے آئے، کم سنی کی وجہ سے ہر قدم پر لڑکھڑاتے جاتے تھے۔ آپ ﷺ ضبط نہ کر سکے۔ منبر سے اتر کر گود میں اٹھالیا اور اپنے سامنے بٹھالیا۔ پھر فرمایا: ''خدا نے سچ کہا ہے: اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ'' فرمایا کرتے تھے: حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔ خدا اس سے محبت رکھے جو حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت رکھتا ہے۔ ایک دفعہ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوشِ مبارک پر سوار تھے۔ کسی نے کہا: ''کیا سواری ہاتھ آئی ہے!'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''سوار بھی کیسا ہے؟''

ایک دفعہ آپ ﷺ کہیں دعوت میں جا رہے تھے، امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ راہ میں کھیل رہے تھے۔ آپ ﷺ نے آگے بڑھ کر ہاتھ پھیلائے۔ وہ ہنستے ہوئے پاس آ کر نکل جاتے تھے۔ بالآخر آپ ﷺ نے اُن کو پکڑ لیا۔ ایک ہاتھ ان کی ٹھوڑی پر اور ایک سر پر رکھ کر سینے سے لپٹالیا پھر فرمایا: ''حسینؓ میرا ہے، میں اس کا ہوں۔'' اکثر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گود میں لیتے اور فرماتے کہ خدایا! مَیں اس کو چاہتا ہوں اور اس کو بھی چاہتا ہوں جو اس کو چاہے۔

آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کے داماد، حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر جب بدر سے قید ہو کر آئے تو فدیہ کی رقم ادا نہ کر سکے تو گھر کہلا بھیجا۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے گلے کا ہار بھیج دیا۔ یہ وہ ہار تھا کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جہیز میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کو دیا تھا۔ آنحضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ہار دیکھا تو بے تاب ہو گئے اور آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ اگر تمھاری مرضی ہو تو ہار زینبؓ کو بھیج دوں۔ سب نے بسر و چشم منظور کیا۔

آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ایک نواسی حالتِ نزع میں تھیں، صاحبزادی نے بلا بھیجا۔ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم تشریف لے گئے تو لڑکی اسی حالت میں آغوشِ مبارک میں رکھ دی گئی۔ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اس کی حالت دیکھی تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ''یا رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم! آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟'' آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: ''یہ رحم ہے جس کو خدا نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دیا ہے۔'' حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر بھی آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے آب دیدہ ہو کر فرمایا تھا: ''آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں، دل غم زدہ ہو رہا ہے، لیکن منھ سے ہم وہی باتیں کہیں گے جس کو خدا پسند کرتا ہے۔''

(سیرت النبیؐ جلد دوم)

مشق

۱۔ مختصر جواب دیں:

(الف) مداومتِ عمل سے کیا مراد ہے؟

(ب) شریعتِ اسلام میں سنّت کا لفظ کس اُصول سے پیدا ہوا ہے؟

(ج) آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اخلاق و عادات میں سب سے نمایاں وصف کون سا تھا؟

(د) ''عُسرت اور تنگ دستی کا یہ حال تھا کہ گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی، خود چکی پیستیں، خود ہی پانی کی مشک بھر لاتیں۔ چکی پیتے پیتے ہتھیلیاں گھِس گئی تھیں۔'' یہ احوال کس ہستی کے ہیں اور انھیں رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کے سامنے کس نے پیش کیا؟

(ہ) ''یہ رحم ہے جس کو خدا نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دیا ہے۔'' رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے یہ الفاظ کس موقع پر ارشاد فرمائے؟

۲۔ دُرست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) سبق ''اخلاقِ نبوی'' سیرت النبیؐ کی جلد سے ماخوذ ہے:

(الف) جلد اوّل سے (ب) جلد دوم سے (ج) جلد سوم سے (د) جلد چہارم سے

(ii) اگر انسان کوئی کام اختیار کرے اور اس پر استقلال کے ساتھ قائم رہے، اسے کہتے ہیں:

(الف) عادت (ب) جبلّت (ج) فطرت (د) فطرتِ ثانیہ

(iii) معمول کے مطابق آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم سفر سے تشریف لاتے تو راہ میں اپنے ساتھ سواری پر آگے پیچھے بٹھاتے:

(الف) بچّوں کو (ب) نوجوانوں کو (ج) جوانوں کو (د) بزرگوں کو

(iv) ''لیکن خدا کے نزدیک تمھارے دام زیادہ ہیں۔'' آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

(الف) جنابِ امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے (ب) حضرت اُنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے

(ج) حضرت زاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے (د) حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے

(v) آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے کنگن لے کر بازار میں بھیج دیے کہ ان کے بدلے کنگن لادو:

(الف) کانسی کے (ب) سونے کے (ج) چاندی کے (د) ہاتھی دانت کے

۳۔ سبق کے متن کو مدِ نظر رکھتے ہوئے دُرست الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پُر کر کے اقتباس مکمل کریں:

اخلاق کا ایک دقیق ۔۔۔۔ یہ ہے کہ انسان اپنے لیے ۔۔۔۔ حسنہ کا جو پہلو پسند کرے اس کی اس شدت سے ۔۔۔۔ کرے اور اس طرح دائمی اور غیر ۔۔۔۔ طریقے سے اس پر عمل کرے کہ گویا وہ اپنے اختیار کے باوجود اس کام کے کرنے پر ۔۔۔۔ ہے اور لوگ دیکھتے دیکھتے یہ یقین کر لیں کہ اس شخص سے اس کے علاوہ اور کوئی بات ۔۔۔۔ ہو ہی نہیں سکتی۔ گویا اس سے یہ افعال اس طرح ۔۔۔۔ ہوتے ہیں جیسے آفتاب سے ۔۔۔۔، درخت سے ۔۔۔۔، پھول سے ۔۔۔۔ کہ یہ خصوصیات ان سے کسی حالت میں الگ نہیں ہو سکتیں۔ اس کا نام استقامت ۔۔۔۔ اور مُداوَمَت ۔۔۔۔ ہے۔

۴۔ ''اخلاقِ نبویؐ'' کے کسی ایک پہلو پر گفت گو کریں۔

۵۔ سبق ''اخلاقِ نبویؐ'' کو مدِ نظر رکھتے ہوئے رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی بچّوں اور اولاد سے محبت کے بارے میں آپس میں بات چیت کریں۔

۶۔ نیچے دی گئی عبارت کو پڑھیں اور پوچھے گئے سوالات کے جوابات دیں اور عبارت کا مناسب عنوان لکھیں:

کسی منفی رجحان کے نتیجے میں اپنے سخت ردِ عمل پر قابو پا لینا، برداشت ہے اور ردِ عمل کے طور پر منفی رویّے کے بجائے مثبت حسنِ سلوک کو روا رکھنا، رواداری کہلاتا ہے۔ ہمارا معاشرہ اِس وقت جن منفی رجحانات سے دوچار ہے، ان میں عدم برداشت، سرِ فہرست ہے۔ جس کے باعث ہمارے اندر رواداری کا وصف ختم ہوتا جا رہا ہے۔ ہمیں روزانہ ایسے بہت سے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے جو چھوٹی چھوٹی اور انتہائی معمولی باتوں پر ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریباں ہو رہے ہوتے ہیں۔ اگر ہم لوگ تھوڑی دیر کے لیے صبر و تحمل، برداشت اور حوصلے سے کام لیں تو بہت بڑے مالی و جانی نقصان سے بچ سکتے ہیں۔ برداشت کا وصف لوگوں میں اُس وقت پیدا ہوگا جب وہ رواداری اور حسنِ سُلوک کو اپنا شِعار بنائیں گے۔ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی حیاتِ طیّبہ ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔

آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ہمیشہ برداشت اور رواداری سے کام لیتے ہوئے ہمارے لیے ایسی بے شمار زندہ مثالیں قائم کیں جو رہتی دنیا تک انسانیت کے لیے رُشد و ہدایت کا ذریعہ بنی رہیں گی۔ کفّارِ مکّہ کی طرف سے آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے، آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم پر پتھر برسائے گئے، طرح طرح کی اذیّتوں سے دو چار کیا گیا مگر آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ہمیشہ برداشت اور تحمل سے کام لیا بلکہ فتحِ مکّہ کے موقع پر تمام دشمنانِ اسلام کو معاف فرما دیا۔ رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سنّت پر عمل کرتے ہوئے ہمیں بھی اپنی معاشرتی روایات کو حوصلہ مندی اور صبر و برداشت کے اصولوں پر قائم رکھنے کا عزم کرنا چاہیے، تاکہ ہم آپس میں باہمی اِخلاص اور مثالی بھائی چارے کو فروغ دے سکیں۔

سوالات:

- منفی رجحان سے کیا مراد ہے؟
- رواداری کسے کہتے ہیں؟
- کفّارِ مکّہ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم سے کیسا سلوک کرتے تھے؟
- سیرتِ طیبہ کی روشنی میں ہمیں کیسا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے؟
- فتحِ مکّہ کے موقع پر آپ نے دشمنانِ اسلام کے ساتھ کیا سلوک کیا؟
- اس عبارت کا مناسب عنوان تجویز کریں۔

فعل کی اقسام (بلحاظ معنی)

فعل لازم: جب کسی جملے میں استعمال ہونے والے فعل کے ساتھ صرف فاعل آئے اور جملے کا مفہوم سمجھ میں آ جائے تو وہ فعل، فعل لازم کہلاتا ہے۔ مثلاً:

اکبر آیا۔ عمران جاگا۔ سلیمان بیٹھا۔

فعل متعدی: جب کسی جملے میں فاعل کے ساتھ ساتھ مفعول لگا کر مفہوم واضح کیا جائے تو استعمال ہونے والا فعل، فعل متعدی کہلائے گا۔ مثلاً:

اسلم کتاب پڑھ رہا ہے۔ بلّی نے چوہے کو پکڑ لیا۔

۷۔ فعل کی پہچان کر کے ان کے سامنے فعل لازم یا فعل متعدی لکھیں:

وہ مدرسے گیا۔		میں نے کتاب پڑھی۔	
ہم نے کھانا کھایا۔		تم نے پانی پیا۔	
وہ دیر سے جاگا۔		نادیہ ابھی ابھی آئی ہے۔	
امجد نے خط لکھا۔		قصاب نے بکرا خریدا۔	

سیاق و سباق (Context):

کسی بھی بیان، واقعہ، عمل یا تحریر کے وہ متعلقہ حالات و واقعات، ماحول یا پس منظر کو کہتے ہیں جو اُس کے درست مفہوم کو سمجھنے میں مدد دیں۔ سیاق و سباق کے بغیر کسی بات کا درست مفہوم سمجھنا دشوار ہو سکتا ہے۔

نوٹ: اساتذہ اپنے طلبہ کو معیاری اور مثالی سیاق و سباق لکھنے کی مشق کروائیں۔

حوالۂ متن (Reference): حوالۂ متن سے مراد ہے کسی دیے ہوئے اقتباس، عبارت یا تحریری مواد کے حوالہ جات بیان کرنا۔ عام طور پر سبق کا عنوان، ماخذ اور مصنف کا نام درج کرنا حوالۂ متن کہلاتا ہے۔ مثلاً:

سبق کا عنوان: اخلاقِ نبویؐ

مصنف کا نام: مولانا شبلی نعمانی

ماخذ: سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (جلد دوم)

۸۔ سیاق و سباق کے حوالے سے درج ذیل اقتباس کی تشریح کریں:

(الف) ''اخلاق کا سب سے مقدم اور ضروری پہلو یہ ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس کا نام استقامتِ حال اور مداومتِ عمل ہے۔''

(ب) ''گھر کا کام کاج خود کرتے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جو سو کھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی۔''

۹۔ ''ہماری زندگی میں ''حسنِ خلق کی اہمیت'' کے موضوع پر ایک پیراگراف تحریر کریں۔

سرگرمی برائے طلبہ:

- محلے یا اسکول کی لائبریری سے سیرتِ مبارکہ سے متعلق کوئی کتاب حاصل کریں اور آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سیرت سے رواداری اور برداشت سے متعلق واقعات پڑھ کر ساتھیوں کو سنائیں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام:

- طلبہ کو تقریر کرنے کے انداز اور لب و لہجے سے آگاہ کریں۔
- تفہیمِ عبارت کے ضمن میں طلبہ کو مطلوبہ عبارت کا مفہوم سمجھائیں اور انھیں تاکید کریں کہ جتنا سوال ہو، اسی قدر جواب دیں۔
- سیاق و سباق کے حوالے سے پیراگراف کی تشریح کرنے کا انداز تختۂ تحریر کی مدد سے سمجھائیں۔

خواجہ حسن نظامی

(۱۸۷۳ء-۱۹۵۵ء)

اصل نام ''سیّد علی حسن'' تھا۔ حضرت خواجہ نظام الدّین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کی ہمشیرہ کی اولاد میں سے تھے اور ساری زندگی خواجہ نظام الدّین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ کے زیرِ سایہ گزاری۔ درگاہ کے متولّی تھے۔ انھوں نے باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ کتب بینی کا شوق تھا، اپنی ہمّت اور شوق سے پڑھا۔ شروع میں کتابیں بیچتے تھے پھر کتابیں لکھیں، رسالوں کے ''مدیر'' ہوئے اور ساری زندگی تصنیف و تالیف میں گزاری۔ انھوں نے بے شمار مضامین، پمفلٹ اور کتابیں لکھیں۔ موضوعات کا تنوّع ان کا خاصہ تھا۔ روحانیات اور مذہبیات سے لے کر عملی زندگی اور تراکیب و نسخوں سمیت انھوں نے ہر موضوع پر لکھا لیکن ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی اور مغلیہ خاندان کی بربادی ان کے خاص موضوعات تھے۔ ان کی اہم کتابوں میں: ''بیگمات کے آنسو''، ''سی پارۂ دل''، ''غدرِ دہلی کے افسانے'' اور ''مضامینِ حسن نظامی'' زیادہ مشہور ہیں۔

خواجہ حسن نظامی کا شمار اُردو کے منفرد اور صاحبِ طرز انشا پردازوں میں ہوتا ہے۔ ان کی تحریر میں سادگی، روانی اور تاثیر کی خصوصیات نمایاں ہیں۔ وہ اپنے دور کی دہلی کی رواں، شستہ اور صاف زبان استعمال کرتے ہیں جس میں وہ بے تکلفی لیکن چستی اور موزونیت سے کام لے کر سوز و گداز کا عنصر پیدا کر دیتے ہیں۔

خواجہ حسن نظامی کو مضمون نویسی اور انشائیہ نگاری میں خاص ملکہ اور مقام حاصل تھا۔ انھوں نے نہایت ہی منفرد، انوکھے اور دل چسپ موضوعات پر طبع آزمائی کی۔ خواجہ حسن نظامی معمولی چیز کو موضوع بنا لیتے ہیں اور اپنے اسلوبِ تحریر اور منفرد، متنوع پہلوؤں سے اس میں نئی دلچسپیاں اور انوکھے زاویے پیدا کر دیتے ہیں۔ وہ بات سے بات پیدا کرتے چلے جاتے ہیں۔ ان کا انداز ایک کھلے ذہن، کھلے دل اور وسیع المشرب نقطۂ نظر رکھنے والے صوفی کا ہے۔ زیرِ نظر مضمون ''فاقہ میں روزہ'' اسی اندازِ تحریر کا خوب صورت نمونہ ہے۔

سبق: ۴

فاقہ میں روزہ

(تاجدارِ دہلی کے ایک کُنبے کا فسانہ)

تدریسی مقاصد:

- طلبہ کے ادبی ذوق کی تربیت کرنا۔
- طلبہ کے سماجی، سیاسی اور اخلاقی شعور میں اضافہ کرنا۔
- ''فاقہ میں روزہ'' جیسے مضامین سماجی مسائل اور غربت کی حالت کو بیان کرتے ہیں، خواجہ حسن نظامیؒ کے مقصدِ تحریر کو سمجھنا۔
- طلبہ میں ہمدردی اور دوسروں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنے کی ترغیب پیدا کرنا۔

جب دہلی زندہ تھی اور ہندوستان کا دل کہلانے کا حق رکھتی تھی، لال قلعہ پر تیموریوں کا آخری نشان لہرا رہا تھا۔ انھی دنوں کا ذکر ہے کہ مرزا سلیم بہادر (جو ابوظفر بہادر شاہ کے بھائی تھے) اپنے مردانہ مکان میں بیٹھے ہوئے دوستوں سے بے تکلفانہ باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں زنان خانہ سے ایک لونڈی باہر آئی اور ادب سے عرض کیا کہ حضور! بیگم صاحبہ یاد فرماتی ہیں۔ مرزا سلیم فوراً محل میں چلے گئے اور تھوڑی دیر میں مغموم واپس آئے۔ ایک بے تکلف ندیم نے عرض کیا: ''خیر باشد! مزاجِ عالی مکدّر پاتا ہوں۔'' مرزا نے مسکرا کر جواب دیا: ''نہیں کچھ نہیں۔ بعض اوقات اماں حضرت خواہ مخواہ ناراض ہو جاتی ہیں۔ کل شام کو افطاری کے وقت نتھن خان گویّا گا رہا تھا اور میرا دل بہلا رہا تھا۔ اس وقت اماں حضرت قرآن شریف پڑھا کرتی ہیں۔ اُن کو یہ شورِ غُل ناگوار معلوم ہوا۔ آج ارشاد ہوا ہے کہ رمضان میں گانے بجانے کی محفلیں بند کر دی جائیں۔ بھلا میں اس تفریحی عادت کو کیوں کر چھوڑ سکتا ہوں۔ ادب کے لحاظ سے قبول تو کر لیا مگر اس پابندی سے جی اُلجھتا ہے۔ حیران ہوں کہ یہ سولہ دن کیوں کر بسر ہوں گے۔''

مصاحب نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا: ''حضور! یہ بھی کوئی پریشان ہونے کی بات ہے۔ شام کو افطاری سے پہلے جامع مسجد تشریف لے چلا کیجیے۔ عجب بہار ہوتی ہے۔ رنگ برنگ کے آدمی، طرح طرح کے جمگھٹے دیکھنے میں آئیں گے۔ خدا کے دن ہیں، خدا والوں کی بہار بھی دیکھیے۔''

مرزا نے اس صلاح کو پسند کیا اور دوسرے دن مصاحبوں کو لے کر جامع مسجد پہنچے۔ وہاں جا کر عجب عالم دیکھا۔ جگہ جگہ حلقہ بنائے لوگ بیٹھے ہیں۔ کہیں قرآن شریف کے دَور ہو رہے ہیں۔ رات کے قرآن سنانے والے حُفّاظ آپس میں ایک دوسرے کو قرآن سنا رہے ہیں۔ کہیں مسائلِ دین پر گُفت گو ہو رہی ہے۔ دو عالم کسی فقہی مسئلہ پر بحث کرتے ہیں اور بیسیوں آدمی اِرد گرد بیٹھے مزے سے سُن رہے ہیں۔ کسی جگہ توجُّہ اور مراقبے کا حلقہ ہے۔ کہیں کوئی صاحب وظائف میں مشغول ہیں۔ الغرض مسجد میں چاروں طرف اللہ والوں کا ہجوم ہے۔

كُلُّ جَدِيدٍ لَذِيذٌ۔[1] مرزا کو یہ نظارہ نہایت پسند آیا اور وقت بہت لُطف سے کٹ گیا۔ اتنے میں افطار کا وقت قریب آیا۔

---

(۱) ہر نئی چیز مزے دار معلوم ہوتی ہے۔

سیکڑوں خوان افطاری کے آنے لگے اور لوگوں میں افطاریاں تقسیم ہونے لگیں۔ خاص محل سلطانی سے متعدد خوان مکلّف چیزوں سے آراستہ روزانہ جامع مسجد میں بھیجے جاتے تھے تاکہ روزہ داروں میں افطاری تقسیم کی جائے۔ اس کے علاوہ قلعہ کی تمام بیگمات اور شہر کے سب اُمرا علیحدہ سے افطاری کے سامان بھیجتے تھے، اس لیے ان خوانوں کی گنتی سیکڑوں تک پہنچ جاتی تھی۔ چوں کہ ہر امیر کوشش کرتا تھا کہ اس کا سامانِ افطاری دوسروں سے بڑھ کر رہے، اس لیے ریشمی رنگ برنگ کے خوان پوش اور ان پر مقیشی جھالریں ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر ہوتی تھیں اور مسجد میں ان کی عجب آرائش ہوجاتی تھی۔

مرزا کے دل پر اس دینی چرچے اور شان وشوکت نے بڑا اثر ڈالا اور اب وہ برابر روزانہ مسجد میں آنے لگے۔ گھروں میں وہ دیکھتے کہ سیکڑوں فقرا کو سحری اور اوّل شب کا کھانا روزانہ شہر کی خانقاہوں اور مسجدوں میں بھجوایا جاتا تھا، یہ دن ان کے گھر میں بڑی برکت اور چہل پہل کے معلوم ہوتے تھے۔

مرزا سلیم کے ایک بھانجے مرزا شہ زور نوعمری کے سبب اکثر اپنے ماموں کی صحبت میں بے تکلّف شریک ہوا کرتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ایک تو وہ وقت تھا جو آج خواب وخیال کی طرح یاد آتا ہے اور ایک وہ وقت آیا کہ دہلی زیر و زبر ہوگئی۔ قلعہ برباد کر دیا گیا۔ امیروں کو پھانسیاں مل گئیں۔ ان کے گھر اُکھڑ گئے۔ ان کی بیگمات ماما گیری کرنے لگیں اور مسلمانوں کی سب شان وشوکت تاراج ہوگئی۔ اس کے بعد ایک دفعہ رمضان شریف کے مہینے میں جامع مسجد جانے کا اتفاق ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ جگہ جگہ چولھے بنے ہوئے ہیں۔ سپاہی روٹیاں پکا رہے ہیں۔ گھوڑوں کے دانے دلے جا رہے ہیں۔ گھاس کے انبار لگے ہوئے ہیں اور شاہجہاں کی خوب صورت اور بے مثل مسجد اصطبل نظر آتی ہے اور پھر جب مسجد واگزاشت ہوگئی اور سرکار نے اس کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا تو رمضان ہی کے مہینے میں پھر جانا ہوا۔ دیکھا کہ چند مسلمان میلے کچیلے پیوند لگے کپڑے پہنے بیٹھے ہیں۔ دو چار قرآن شریف کا دَور کر رہے ہیں اور کچھ اسی پریشان حالی میں بیٹھے وظیفہ پڑھ رہے ہیں۔ افطاری کے وقت چند آدمیوں نے کھجوریں اور دال سیو بانٹ دیے۔ کسی نے ترکاری کے قتلے تقسیم کر دیے۔ نہ وہ اگلا سا سماں، نہ وہ اگلی سی چہل پہل، نہ وہ پہلی سی شان وشوکت۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ بیچارے فلک کے مارے چند لوگ جمع ہوگئے ہیں۔ اس کے بعد آج کل کا زمانہ بھی دیکھا جب کہ مسلمان چاروں طرف سے دب گئے ہیں۔ انگریزی تعلیم یافتہ مسلمان تو مسجد میں نظر ہی کم آتے ہیں۔ غریب غربا آئے تو ان سے رونق کیا خاک ہوسکتی ہے۔ پھر بھی غنیمت ہے کہ مسجد آباد ہے۔ اگر مسلمانوں کے افلاس کا یہی عالم رہا تو آیندہ خبر نہیں کیا نوبت آئے۔

مرزا شہ زور کی باتوں میں بڑا درد اور اثر تھا۔ ایک دن مَیں نے ان سے غدر کا قصّہ اور تباہی کا فسانہ سننا چاہا۔ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور اس کے بیان کرنے میں عذر و مجبوری ظاہر کرنے لگے، لیکن جب میں نے زیادہ اصرار کیا تو اپنی دردناک کہانی اس طرح سنائی:

جب انگریزی توپوں نے، کرچوں اور سنگینوں نے، چکمانہ توڑ جوڑ نے، ہمارے ہاتھ سے تلوار چھین لی، تاج سر سے اُتار لیا، تخت پر قبضہ کر لیا، شہر میں آتش ناک گولیوں کا مینھ برس چکا، سات پردوں میں رہنے والیاں بے چادر ہوکر بازار میں اپنے وارثوں کی تڑپتی ہوئی لاشوں کو دیکھنے نکل آئیں، چھوٹے بن باپ کے بچّے ابا ابا پکارتے ہوئے بے یار و مددگار پھرنے لگے، حضور ظلِ سُبحانی جن پر ہم سب کا سہارا تھا، قلعہ چھوڑ کر باہر نکل گئے۔ اس وقت میں نے بھی اپنی بوڑھی والدہ، کم سن بہن اور حاملہ بیوی کو ساتھ لے کر اور اُجڑے قافلے کا

سالار بن کر گھر سے کُوچ کیا۔

ہم لوگ دو رتھوں میں سوار تھے۔ سیدھے غازی آباد کا رُخ کیا مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ راستہ انگریزی لشکر کی جولان گاہ بنا ہوا ہے، اس لیے شاہدرہ سے واپس ہو کر قطب صاحب چلے اور وہاں پہنچ کر رات کو آرام کیا۔ اس کے بعد صبح آگے روانہ ہوئے۔ چھتر پور کے قریب گوجروں نے حملہ کیا اور سب سامان لوٹ لیا مگر اتنی مہربانی کی کہ ہم کو زندہ چھوڑ دیا۔ وہ لق و دق جنگل، تین عورتوں کا ساتھ اور عورتیں بھی کیسی! ایک بڑھاپے سے لاچار، دو قدم چلنا دوبھر۔ دوسری بیمار اور حاملہ۔ تیسری دس برس کی نادان لڑکی۔ عورتیں روتی تھیں اور بین کر کر کے روتی تھیں۔ میرا کلیجہ ان کے بین سے پھٹا جاتا تھا۔ والدہ کہتی تھیں: الٰہی ہم کہاں جائیں۔ کس کا سہارا ڈھونڈیں۔ ہمارا تاج و تخت تو لُٹ گیا، تُو ٹوٹا بوریا اور امن کی جگہ تو دے۔ اس بیمار پیٹ والی کو کہاں لے کر بیٹھوں؟ اس معصوم بچّی کو کس کے حوالے کروں؟ جنگل کے درخت بھی ہمارے دشمن ہیں۔ کہیں سایہ نظر نہیں آتا۔ بہن کی یہ کیفیت تھی کہ وہ سہمی ہوئی کھڑی تھی اور ہم سب کا منھ تکتی تھی۔ مجھ کو اس کی معصومانہ بے کسی پر بڑا ترس آتا تھا۔ آخر مجبوراً میں نے عورتوں کو دلاسا دیا اور آگے چلنے کی ہمّت بندھائی۔ گاؤں سامنے نظر آتا تھا۔ غریب عورتوں نے چلنا شروع کیا۔ والدہ صاحبہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتی تھیں اور سر پکڑ کر بیٹھ جاتی تھیں اور جب وہ یہ کہتیں: ''تقدیر ان کو ٹھوکریں کھلواتی ہے جو تاجوروں کے ٹھوکریں مارتے تھے۔ قسمت نے ان کو بے بس کر دیا جو بے کسوں کے کام آتے تھے۔ ہم چنگیز کی نسل ہیں جس کی تلوار سے زمین کانپتی تھی۔ ہم تیمور کی اولاد ہیں جو ملکوں کا اور شہریاروں کا شاہ تھا۔ ہم شاہجہاں کے گھر والے ہیں جس نے ایک قبر پر جواہر نگار بہار دکھا دی اور دنیا میں بے نظیر مسجد دہلی کے اندر بنا دی۔ ہم ہندوستان کے شہنشاہ کے کنبہ میں ہیں۔ ہم عزّت والے تھے۔ زمین میں ہمیں کیوں ٹھکانا نہیں ملتا؟ وہ کیوں سرکشی کرتی ہے؟ آج ہم پر مصیبت ہے۔ آج ہم پر آسمان روتا ہے۔'' تو بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ القصہ بہ ہزار دِقّت و دشواری گرتے پڑتے گاؤں میں پہنچے۔ یہ گاؤں مسلمان میواتیوں کا تھا۔ انھوں نے ہماری خاطر کی اور اپنی چوپاڑ میں ہم کو ٹھہرا دیا۔

کچھ روز تو ان مسلمان گنواروں نے ہمارے کھانے پینے کی خبر رکھی اور چوپاڑ میں ہم کو ٹھہرائے رکھا، لیکن کب تک یہ بار اٹھا سکتے تھے۔ اُکتا گئے اور ایک دن مجھ سے کہنے لگے: ''میاں جی! چوپاڑ میں ایک برات آنے والی ہے۔ تُو دوسرے چھپر میں چلا جا اور رات دن ٹھالی (بے کار) بیٹھے کیا کرے ہے۔ کچھ کام کیوں نہیں کرتا؟'' میں نے کہا: ''بھائی! جہاں تم کہو گے وہیں جا پڑیں گے۔ ہمیں چوپاڑ میں رہنے کی ہوس نہیں ہے۔ جب فلک نے عالی شان محل چھین لیے تو اس کچّے مکان پر ہم کیا ضد کریں گے اور رہی کام کرنے کی بات، سو میرا جی تو خود گھبراتا ہے، خالی بیٹھے بیٹھے طبیعت اُکتائی جاتی ہے۔ مجھ کو کوئی کام بتاؤ، ہو سکے گا تو آنکھوں سے کروں گا۔''

ان کا چودھری بولا: ''ہم نے گئے بیرا (ہمیں کیا خبر) کہ تم گئے کام (کیا کام) کر سکے ہے۔'' میں نے جواب دیا، ''میں سپاہی زادہ ہوں۔ تیغ و تفنگ چلانا میرا ہنر ہے، اس کے علاوہ اور کوئی کام نہیں جانتا۔'' گنوار ہنس کر کہنے لگے، نہ بابا یہاں تو ہل چلانا ہوگا۔ گھاس کھودنی پڑے گی۔ ہم نے تلوار کے ہنر کیا کرنے ہیں۔ گنوار کے اس جواب سے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے اور جواب دیا: ''بھائیو! مجھ کو تو ہل چلانا اور گھاس کھودنی نہیں آتی۔'' مجھ کو روتا دیکھ کہ گنواروں کو رحم آ گیا اور بولے: ''اچھا! تُو ہمارے کھیت کی رکھوالی کیا کر اور تیری عورتیں ہمارے گاؤں کے کپڑے سی دیا کریں۔ فصل پر تجھ کو اناج دے دیا کریں گے جو تجھ کو برس دن کو کافی ہوگا۔''

چناں چہ یہی ہُوا کہ میں سارا دن کھیت پر جانور اُڑایا کرتا تھا اور گھر میں عورتیں کپڑے سیتی تھیں۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ بھادوں کا مہینا آیا اور گاؤں میں سب کو بُخار آنے لگا۔ میری اہلیہ اور بہن کو بھی بخار نے آن دبایا۔ وہ گاؤں، وہاں دوا اور حکیم کا کیا ذکر، خود لوٹ پوٹ کر اچھے ہو جاتے ہیں، مگر ہم کو دواؤں کی عادت تھی۔ سخت تکلیف اُٹھانی پڑی۔ اسی حالت میں ایک دن اس زور کی بارش ہوئی کہ جنگل کا نالہ چڑھ آیا اور گاؤں میں کمر کمر پانی ہو گیا۔ گاؤں والے تو اس کے عادی تھے لیکن ہماری حالت اس طوفان کے سبب مرنے سے بدتر ہو گئی۔ چُوں کہ پانی ایک دفعہ ہی رات کے وقت گھس آیا تھا، اس لیے ہماری عورتوں کی چارپائیاں بالکل ہی غرقِ آب ہو گئیں اور عورتیں چیخیں مارنے لگیں۔ آخر بڑی مشکل سے چھپر کی بلّیوں میں دو چارپائیاں اَڑا کر عورتوں کو ان پر بٹھایا۔ پانی گھنٹا بھر میں اُتر گیا مگر غضب یہ ہوا کہ کھانے کا اناج اور اوڑھنے بچھانے کے کپڑے تر کر گیا۔ پچھلی رات میری بیوی کے دردِ زہ شروع ہوا اور ساتھ ہی جاڑے سے بخار بھی لایا۔ اُس وقت کی پریشانی بس بیان کرنے کے قابل نہیں۔ اندھیرا گھپ، مینھ کی جھڑی، کپڑے سب گیلے۔ آگ کا سامان ناممکن۔ حیران تھے، الٰہی! کیا انتظام کیا جائے؟ درد بڑھنا شروع ہوا اور مریضہ کی حالت نہایت ابتر ہو گئی۔ یہاں تک کہ وہ تڑپنے لگی اور تڑپتے تڑپتے جان دے دی۔ بچہ پیٹ ہی میں رہا۔ چُوں کہ وہ ساری عمر ناز و نعمت میں پلی تھیں، غدر کی مصیبتیں ہی ان کی ہلاکت کے لیے کافی تھیں۔ خیر اُس وقت تو جان بچ گئی، مگر یہ بعد کا جھٹکا ایسا بڑا لگا کہ جان لے کر گیا۔ صبح ہو گئی۔ گاؤں والوں کو خبر ہوئی تو انھوں نے کفن وغیرہ منگوا دیا اور دوپہر تک یہ محتاج شہزادی گورِ غریباں میں ہمیشہ کے لیے جا سوئی۔

اب ہم کو کھانے کی فکر ہوئی کیوں کہ اناج سب بھیگ کر سڑ گیا تھا۔ گاؤں والوں سے بھی مانگتے ہوئے لحاظ آتا تھا۔ وہ بھی ہماری طرح اس مصیبت میں گرفتار تھے، تاہم بے چارے گاؤں کے چودھری کو خود ہی خیال ہوا اور اس نے قطب صاحب سے ایک روپے کا آٹا منگوا دیا۔ وہ آٹا نصف کے قریب خرچ ہوا ہو گا کہ رمضان شریف کا چاند نظر آیا۔ والدہ صاحبہ کا دل بہت نازک تھا۔ وہ ہر وقت گزشتہ زمانے کو یاد کیا کرتی تھیں۔ رمضان کا چاند دیکھ کر انھوں نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور چُپ ہو گئیں۔ میں سمجھ گیا کہ ان کو پچھلا زمانہ یاد آ رہا ہے۔ تسلّی کی باتیں کرنے لگا، جس سے ان کو کچھ ڈھارس ہو گئی۔

چار پانچ دن تو آرام سے گزر گئے، مگر جب آٹا ختم ہو چکا تو بڑی مشکل درپیش ہوئی۔ سوال کرتے ہوئے شرم آتی تھی اور پاس ایک کوڑی نہ تھی۔ شام کو پانی سے روزہ کھولا۔ بھوک کے مارے کلیجہ منھ کو آتا تھا۔ والدہ صاحبہ کی عادت تھی کہ اس قسم کی تکلیف کے وقت بیان کر کے بہت رویا کرتی تھیں، مگر آج بڑے اطمینان سے خاموش تھیں۔ ان کی خاموشی و اطمینان سے میرے دل کو بھی سہارا ہوا اور چھوٹی بہن کو جس کے چہرے پر بھوک کے مارے ہوائیاں اُڑ رہی تھیں، دلاسا دینے لگا۔ وہ معصوم بھی میرے سمجھانے پر نڈھال ہو کر چارپائی پر جا پڑی اور تھوڑی دیر میں سو گئی۔ بھوک میں نیند کہاں آتی ہے، بس ایک غوطہ سا تھا۔ اس غوطہ اور ناتوانی کی حالت میں سحری کا وقت آ گیا۔ والدہ صاحبہ اُٹھیں اور تہجد کی نماز کے بعد جن دردناک الفاظ میں انھوں نے دعا مانگی، ان کا نقل کرنا محال ہے۔ حاصلِ مطلب یہ ہے کہ انھوں نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا:

''ہم نے ایسا کیا قصور کیا ہے جس کی سزا یہ مل رہی ہے۔ رمضان کے مہینے میں ہمارے گھر سے سیکڑوں محتاجوں کو کھانا ملتا تھا اور

آج ہم خود دانے دانے کو محتاج ہیں اور روزہ پر روزہ رکھ رہے ہیں۔ خداوندا! اگر ہم سے قصور ہوا ہے تو اس معصوم بچی نے کیا خطا کی جس کے منہ میں کل سے ایک کھیل اُڑ کر نہیں گئی۔''

دوسرا دن بھی یُوں ہی گزر گیا اور فاقے میں روزہ در روزہ رکھا۔ شام کے قریب چودھری کا آدمی دودھ اور میٹھے چاول لایا اور بولا: ''آج ہمارے ہاں نیاز تھی۔ یہ اس کا کھانا ہے اور یہ پانچ روپیہ زکوٰۃ کے ہیں۔ ہر سال بکریوں کی زکوٰۃ میں بکری دیا کرتے ہیں، مگر اب کے نقد دے دیا ہے۔''

یہ کھانا اور روپے مجھ کو ایسی نعمت معلوم ہوئے گویا بادشاہت مل گئی۔ خوشی خوشی والدہ کے آگے سارا قصہ کہا۔ کہتا جاتا تھا اور خدا کا شکرانہ بھیجتا جاتا تھا مگر یہ خبر نہ تھی کہ گردشِ فلک نے مرد کے خیال پر تو اثر ڈال دیا لیکن عورت ذات جُوں کی تُوں اپنی قدیمی غیرت داری پر قائم ہے۔ چناں چہ میں نے دیکھا کہ والدہ کا رنگ متغیر ہو گیا۔ باوجود فاقہ کی ناتوانی کے انھوں نے تیور بدل کر کہا:

''تُف ہے تیری غیرت پر۔ خیرات اور زکوٰۃ لے کر آیا ہے اور خوش ہوتا ہے۔ ارے اس سے مر جانا بہتر تھا۔ اگرچہ ہم مٹ گئے مگر ہماری حرارت نہیں مٹی۔ میدان میں نکل کر مر جانا یا مار ڈالنا اور تلوار کے زور سے روٹی لینا ہمارا کام ہے۔ صدقہ خوری ہمارا شیوہ نہیں ہے۔''

والدہ کی ان باتوں سے مجھے پسینا آ گیا اور شرم کے مارے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے۔ چاہا کہ اُٹھ کر یہ چیزیں واپس کر آؤں مگر والدہ نے روکا اور کہا: ''خدا ہی کو یہ منظور ہے تو ہم کیا کریں۔ سب کچھ سہنا ہوگا۔'' یہ کہہ کر کھانا رکھ لیا اور روزہ کھولنے کے بعد ہم سب نے مل کر کھا لیا۔ پانچ روپیا کا آٹا منگوایا گیا جس سے رمضان خیر و خوبی سے بسر ہو گیا۔ اس کے بعد چھے مہینے گاؤں میں رہے۔ پھر دہلی چلے آئے۔ یہاں آ کر والدہ کا انتقال ہو گیا اور بہن کی شادی کر دی۔ انگریزی سرکار نے میری بھی پانچ روپے ماہوار پنشن مقرر کر دی جس پر آج کل زندگی کا انحصار ہے۔

(بیگمات کے آنسو)

مشق

۱۔ مختصر جواب دیں:

(الف) ''جب دہلی زندہ تھی'' سے کیا مراد ہے؟

(ب) ''خیر باشد! مزاجِ عالی مکدّر پاتا ہوں۔'' اس جملے کی وضاحت کریں۔

(ج) مرزا سلیم بہادر کون تھے؟

(د) جامع مسجد میں مرزا صاحب نے کیا منظر دیکھا؟

(ہ) مرزا صاحب روزانہ مسجد کیوں آنے لگے؟

۲۔ درست جواب کی نشان دہی کریں۔

(i) سبق ''فاقہ میں روزہ'' خواجہ حسن نظامی کی کس تصنیف سے ماخوذ ہے؟

(الف) غدرِ دہلی کے افسانے (ب) سی پارۂ دل (ج) بیگمات کے آنسو (د) مضامینِ حسن نظامی

(ii) سبق ''فاقہ میں روزہ'' اصنافِ ادب کے لحاظ سے ہے:

(الف) ناول (ب) ڈراما (ج) داستان (د) افسانہ

(iii) مرزا شہ زور رشتے میں ابوظفر بہادر شاہ کے تھے:

(الف) بھتیجے (ب) بھانجے (ج) بھائی (د) رضاعی بھائی

(iv) متن کے مطابق جامع مسجد دہلی بنوائی تھی:

(الف) شاہجہان نے (ب) اورنگ زیب عالمگیر نے (ج) ابوظفر بہادر شاہ نے (د) نصیرالدین ہمایوں نے

(v) قلعہ چھوڑتے وقت مرزا شہ زور کے ساتھ تھی:

(الف) ماں، بہن اور بیوی (ب) بیٹی، بہن اور بیوی (ج) ماں، بیٹی اور بیوی (د) ماں، بہن اور بیٹی

۳۔ متن کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مناسب لفظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں:

(الف) ہم لوگ دو ____ میں سوار تھے۔

(ب) حضور ظلِ سُبحانی جن پر ہم سب کا سہارا تھا، ____ چھوڑ کر باہر نکل گئے۔

(ج) تقدیر ان کو ٹھوکریں کھلواتی ہے جو ____ کے ٹھوکریں مارتے تھے۔

(د) وہ معصوم بھی میرے سمجھانے پر ____ ہو کر چارپائی پر جا پڑی اور تھوڑی دیر میں سو گئی۔

(ہ) اس غوطہ اور ناتوانی کی حالت میں ____ کا وقت آ گیا۔

(و) اس کے بعد چھے مہینے گاؤں میں رہے، پھر ____ چلے آئے۔

۴۔ طلبہ سبق ''فاقہ میں روزہ'' کے متن کو غور سے پڑھیں اور اسے مختصر مگر جامع انداز میں ایک دوسرے کو سنائیں۔

۵۔ طلبہ جماعت دہم تک مغلیہ حکمرانوں کے بارے میں پڑھ چکے ہیں۔ انھیں ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے احوال بھی ازبر ہیں۔ اپنی سابق واقفیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے بہادر شاہ ظفر کی حکومت کے زوال کے اسباب اور نتائج ایک دوسرے کو بتائیں۔

۶۔ دی گئی عبارت کو پڑھیں اور پوچھے گئے سوالات کے جوابات دیں:

بدعنوانی انگریزی زبان کے لفظ 'کرپشن' کا اُردو ترجمہ ہے۔ ہر وہ برائی جو معاشرے میں کسی بھی قسم کے فساد کا باعث بنے ''کرپشن'' کہلاتی ہے۔ سُود خوری، رشوت ستانی، سفارش، وعدہ خلافی، جھوٹ، ملاوٹ، تعصب، اقربا پروری، بددیانتی، ہر طرح کی چوری اور دیگر تمام سماجی بُرائیاں کرپشن ہی کے ذیل میں آتی ہیں۔ اگر ہم ایک خوش حال، منظم اور پُرامن معاشرہ چاہتے ہیں تو ان تمام بُرائیوں سے نجات ناگزیر ہے۔ دینِ اسلام نہ صرف تمام قسم کی کرپشن کو ختم کرنے کی تاکید کرتا ہے بلکہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ اقدس ایسے تمام پہلوؤں سے سجی ہوئی ہے جس کی پیروی کر کے تمام معاشرتی برائیوں سے بچا جاسکتا ہے اور معاشرے کو خوش حال اور مثالی بنایا جاسکتا ہے۔ انسدادِ بدعنوانی کے لیے لازم ہے کہ تعلیم کو عام کر کے معاشرتی شعور کو بیدار کیا جائے۔ جائز و ناجائز اور حلال و حرام کے امتیاز کو لوگوں کے اذہان و قلوب میں بسایا جائے۔ اس کے لیے میڈیا کا استعمال بھی کیا جاسکتا ہے۔ اگر ہم سچے اور پکے مسلمان بن جائیں اور حُب الوطنی کے تقاضوں کو پورا کرنے لگیں تو یقیناً ہمارا معاشرہ اور ہمارا ملک تمام برائیوں سے پاک ہوسکتا ہے۔

سوالات:

- بدعنوانی کے لیے انگریزی میں کون سا لفظ مستعمل ہے؟
- عبارت کے مطابق کون کون سی سماجی بُرائیاں بدعنوانی میں شامل ہیں؟
- اسلامی تناظر میں معاشرے کو خوش حال اور مثالی کس طرح بنایا جاسکتا ہے؟
- بدعنوانی کی روک تھام کے لیے معاشرتی شعور کیسے بیدار ہوگا؟
- اس عبارت کا مناسب عنوان تجویز کریں۔

جملے کے اجزا

مبتدا اور خبر: جملے کے دو اجزا ہوتے ہیں:

پہلے جز میں کسی شخص یا شے کا ذکر کیا جاتا ہے اور دوسرے جز میں اس شخص یا شے کے بارے میں کچھ بتایا جاتا ہے۔ قواعد کی رو سے جملے کے اس پہلے جز کو مبتدا اور دوسرے جز کو خبر کہتے ہیں۔ درج ذیل مثالوں میں جملے کے اجزا کی وضاحت پیش کی جارہی ہے:

(الف) بھیڑ اور بھیڑیا، ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں۔ — مبتدا: بھیڑ اور بھیڑیا — خبر: ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں

(ب) میں اور تم مل کر جائیں گے۔ — مبتدا: میں اور تم — خبر: مل کر جائیں گے

(ج) اچھا آدمی، اچھی بات کہے گا۔ — مبتدا: اچھا آدمی — خبر: اچھی بات کہے گا۔

۷۔ اس سبق میں سے کوئی سے پانچ جملے منتخب کریں اور مبتدا اور خبر کے حوالے سے ان کے اجزا بیان کریں۔

۸۔ درج ذیل تراکیب کی وضاحت جملوں میں استعمال کے ذریعے کریں:

خواہ مخواہ، خوان پوش، لہو ولہب، بے تکلّف ، بے یار و مددگار ، لق ودق، بہ ہزار دِقّت ودشواری ، ناز ونعمت

۹۔ درج ذیل محاورات کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے:

خدا خدا کر کے، دل میں گھر کرنا، ڈٹ جانا، دل پاش پاش ہونا،
حالت غیر ہونا، دل میں بدی آنا، سناٹے میں آ جانا

۱۰۔ سبق ''فاقہ میں روزہ'' کا خلاصہ تحریر کریں۔

۱۱۔ سیاق وسباق کے حوالے سے درج ذیل اقتباس کی تشریح کریں اور حوالۂ متن بھی درج کریں۔

''والدہ کی ان باتوں سے مجھے۔۔۔۔۔۔آج کل زندگی کا انحصار ہے۔''

سرگرمیاں برائے طلبہ:

- خواجہ حسن نظامی کی کتاب ''بیگمات کے آنسو'' کا مطالعہ کریں۔
- ''بیگمات کے آنسو'' کے مجموعے میں سے ''بنتِ بہادر شاہ'' کا مطالعہ کریں اور اس پر باہمی گفت گو کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام:

- طلبہ کو خواجہ حسن نظامی کی شخصیت اور فن سے متعارف کرائیں۔
- طلبہ کو جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے بارے میں تفصیل سے بتائیں۔
- طلبہ کو مشقی سوالات اور سرگرمیوں کے حوالے سے رہ نمائی فراہم کریں۔

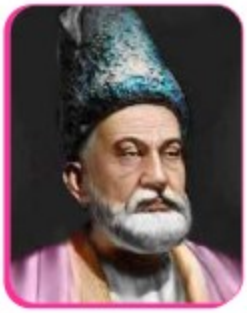

اسداللہ خاں غالبؔ

(۱۷۹۷ء۔۱۸۶۹ء)

اسداللہ خاں نام، گھر پر ''مرزا نوشہ'' پکارے جاتے تھے۔ پہلے ''اسد'' تخلص کیا پھر ''غالب''۔ آگرے میں پیدا ہوئے۔ نسلاً ایبک تُرک تھے۔ والد عبداللہ بیگ سپاہی پیشہ تھے۔ غالب پانچ برس کے تھے کہ اُن کے والد ایک معرکے میں مارے گئے۔ غالب کی پرورش ان کے چچا نے سنبھالی لیکن چار سال بعد وہ بھی وفات پا گئے اور غالب اپنے نانا کی نگرانی میں آ گئے۔ عنفوانِ شباب بڑی بے فکری میں گزرا۔

غالب بنیادی طور پر شاعر تھے اور اپنی فارسی شاعری پر فخر کیا کرتے تھے۔ ابتدا میں خط بھی فارسی میں لکھتے تھے لیکن بعد میں کچھ تو اپنی بڑھتی ہوئی عمر اور کچھ اپنی جدّت پسندی کے باعث اُردو میں خط لکھنے شروع کیے۔ انھوں نے اپنے دوستوں اور شاگردوں کو بہت سے خط لکھے جن کے مجموعے ''عُودِ ہندی'' اور ''اُردوئے معلّٰی'' کے نام سے ان کی زندگی ہی میں مرتّب ہو گئے تھے۔

غالب اپنے عہد اور زمانے کی ایک نابغۂ روزگار شخصیت تھے اور اپنے دور کے علمی و ادبی کمالات کے عکاس تھے۔ ان کی شخصیت اپنے تمام تر رچاؤ اور وسعت کے ساتھ ان کے خطوط میں بھی جھلکتی ہے۔ ان کے خطوط کی اہم خصوصیت ان کا اسلوبِ بیان اور زبان ہے۔ ان کے خطوط بے ساختگی، بے تکلفی، طنز و مزاح اور تازگی و شوخی کے عناصر سے بھرپور ہیں۔ ان کی زبان سادہ، پُرکار اور جوش و ولولہ سے لبریز ہے۔ کہیں کہیں مشکل الفاظ و تراکیب بھی ہیں لیکن وہ بھی غالب کی علمیّت، ظرافت اور جدت پسندی ہی کی جھلک ہیں۔ ان کے خطوط میں زبان و بیان کی روانی بے مثال ہے۔ وہ اکثر و بیشتر مکالمہ اور قوافی کا استعمال بھی کرتے ہیں لیکن اس میں اکثر اوقات تصنع کے بجائے بے ساختگی اور ظرافت کا اظہار ہوتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ دو بے تکلف دوست آمنے سامنے بیٹھے آپس میں بات چیت کر رہے ہیں۔ جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں:

> ''میں نے وہ انداز تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلے کو مکالمہ بنا دیا ہے۔ ہزار کوس سے بہ زبانِ قلم باتیں کیا کرو، ہجر میں وصال کے مزے لیا کرو۔''

لیکن اس بے تکلفی و سادگی کے باوجود ان کے خطوط میں علمی و ادبی شان پائی جاتی ہے۔ مرزا غالب کے دو خط شاملِ کتاب ہیں جو علاءالدین احمد خان علائی (۱) اور مرزا ہرگوپال تفتہ (۲) کے نام ہیں۔

---

(۱) علاءالدین احمد خان علائی: مرزا غالب، علائی کو اپنا خلیفۂ ثانی سمجھتے تھے۔ یہ اردو اور فارسی کے بہت اچھے شاعر اور ترکی زبان بھی بخوبی جانتے تھے۔ ان کی وفات ۱۸۸۴ء میں ہوئی۔

(۲) مرزا ہرگوپال تفتہ: مرزا تفتہ مرزا غالب کے بہت سعادت مند اور فرماں بردار شاگرد تھے، مرزا غالب انھیں پیار سے ''مرزا تفتہ'' کہتے تھے۔

سبق: ۵

مکاتیبِ غالب

تدریسی مقاصد:

- طلبہ کے علمی اور ادبی ذوق کی تربیت کرنا۔
- غالب کے خطوط سے غالب کا تاریخی مؤقف، سیاسی اور سماجی تبدیلیوں اور ثقافتی پہلوؤں کے بارے میں جاننا۔
- مکاتیبِ غالب کے توسط سے غالب کے ذہنی، فکری اُفق اور خیالات کو سمجھنا۔
- طلبہ کی تحریری اور تقریری صلاحیتوں میں اضافہ کرنا۔
- طلبہ کو بتانا کہ نثر نگاری میں غالب کے خطوط کو کس قدر اہمیت حاصل ہے اور یہ کہ غالب نے خطوط نویسی میں منفرد اسلوب کی بنیاد رکھی۔

بنام علاء الدّین علائی

جانِ غالب!

تم تو ثمرِ نورس (۱) ہو، اس نہال (۲) کے جس نے میری آنکھوں کے سامنے نشو و نما پائی ہے اور مَیں ہوا خواہ و سایہ نشین اس نہال کا رہا ہوں، کیوں کر تم مجھ کو عزیز نہ ہو گے؟ رہی دید و ادید، اس کی دو صورتیں ہیں: تم دلّی میں آؤ یا مَیں لوہارو آؤں۔ تم مجبور، مَیں معذور۔ خود کہتا ہوں کہ میرا عذر زنہار مسموع نہ ہو جب تک نہ سمجھ لو کہ میں کون ہوں اور ماجرا کیا ہے؟

سنو! عالَم دو ہیں: ایک عالمِ ارواح اور ایک عالمِ آب و گِل۔ حاکم ان دونوں عالموں کا وہ ایک ہے جو خود فرماتا ہے:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ اور پھر آپ جواب دیتا ہے: لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ

ہر چند قاعدۂ عام یہ ہے کہ عالمِ آب و گِل کے مجرم، عالمِ ارواح میں سزا پاتے ہیں، لیکن یوں بھی ہوا ہے کہ عالمِ ارواح کے گناہ گار کو دنیا میں بھیج کر سزا دیتے ہیں۔ چناں چہ مَیں آٹھویں رجب ۱۲۱۲ھ میں رُوبکاری کے واسطے یہاں بھیجا گیا۔ تیرہ برس حوالات میں رہا۔ ۷ رجب ۱۲۲۵ھ کو میرے واسطے حکمِ دوام حبس صادر ہوا۔ ایک بیڑی میرے پاؤں میں ڈال دی اور دلّی شہر کو زنداں مقرر کیا اور مجھے اس زنداں میں ڈال دیا۔

فکرِ نظم و نثر کو مشقت ٹھہرایا۔ برسوں کے بعد جیل خانے سے بھاگا۔ تین برس بلادِ شرقیہ میں پھرتا رہا۔ پایانِ کار مجھے کلکتہ سے پکڑ لائے اور پھر اسی محبس میں بٹھا دیا۔ جب دیکھا کہ قیدی گریز پا ہے، دو ہتھکڑیاں اور بڑھا دیں۔ پاؤں بیڑی سے فِگار، ہاتھ ہتھکڑیوں سے زخم دار، مشقتِ مقرری اور مشکل ہو گئی۔ طاقت یک قلم زائل ہو گئی۔ بے حیا ہوں۔ سالِ گزشتہ بیڑی کو زاویۂ زندان میں چھوڑ مع

---

(۱) نواب امین الدین احمد خاں، والیِ لوہارو کے بڑے صاحب زادے اور وارثِ ریاست

(۲) امین الدین احمد خاں، والیِ لوہارو

دونوں ہتھکڑیوں (۱) کے بھاگا۔ میرٹھ، مراد آباد ہوتا ہوا رام پور پہنچا۔ کچھ دن کم دو مہینے وہاں رہا تھا کہ پھر پکڑا آیا۔ اب عہد کیا کہ پھر نہ بھاگوں گا۔ بھاگوں گا کیا؟ بھاگنے کی طاقت بھی تو نہ رہی۔ حکمِ رہائی دیکھیے کب صادر ہو۔ ایک ضعیف سا احتمال ہے کہ اسی ماہِ ذی الحجہ ۱۲۷۷ھ میں چھوٹ جاؤں گا۔ بہر تقدیر بعد رہائی کے تو آدمی سوائے اپنے گھر کے اور کہیں نہیں جاتا۔ میں بھی بعدِ نجات سیدھا عالمِ ارواح کو چلا جاؤں گا۔

فرخ آں روز کہ از خانۂ زنداں بروم
سوئے شہرِ خود ازیں وادیِ ویراں بروم (۲)

غالب
ذی الحجہ ۱۲۷۷ھ
(جون ۱۸۶۱ء)

بنام مرزا ہرگوپال تفتہ

بھائی!

تم سچ کہتے ہو کہ بہت مسوّدے اصلاح کے واسطے فراہم ہوئے ہیں، مگر یہ نہ سمجھنا کہ تمھارے ہی قصائد پڑے ہیں۔ نواب صاحب کی غزلیں بھی اسی طرح دھری ہوئی ہیں۔ برسات کا حال تمھیں بھی معلوم ہے اور یہ بھی تم جانتے ہو کہ میرا مکان گھر کا نہیں ہے، کرائے کی حویلی میں رہتا ہوں۔ جولائی سے مینھ شروع ہوا۔ شہر میں سیکڑوں مکان گرے اور مینھ کی نئی صورت، دن رات میں دو چار بار برسے اور ہر بار اس زور سے کہ ندی نالے بہ نکلیں۔ بالا خانے کا جو دالان میرے اُٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، جینے مرنے کا محل ہے، اگرچہ گرا نہیں لیکن چھت چھلنی ہوگئی۔ کہیں لگن، کہیں چلمچی، کہیں اُگال دان رکھ دیا۔ قلم دان، کتابیں اٹھا کر توشے خانے کی کوٹھری میں رکھ دیے۔ مالک مرمت کی طرف متوجہ نہیں۔ کشتیِ نوح میں تین مہینے رہنے کا اتفاق ہوا۔ اب نجات ہوئی ہے۔ نواب صاحب کی غزلیں اور تمھارے قصائد دیکھے جائیں گے۔

میر بادشاہ میرے پاس آئے تھے۔ تمھاری خیر و عافیت اُن سے معلوم ہوئی تھی۔ میر قاسم علی صاحب مجھ سے نہیں ملے۔ پرسوں سے

---

(۱) باقر علی خاں اور حسن علی خاں، فرزندانِ عارف۔

(۲) میرے لیے وہ دن کس قدر خوش قسمتی کا حامل ہوگا جس دن میں اس قید خانے (دنیا) سے یعنی اس ویران وادی سے اپنے (بسنے بسنے) شہر (عالمِ ارواح) کی طرف جاؤں گا۔

نواب مصطفیٰ خاں صاحب یہاں آئے ہوئے ہیں۔ ایک ملاقات ان سے ہوئی ہے۔ ابھی یہیں رہیں گے، بیمار ہیں، احسن اللہ خاں معالج ہیں، فصد ہو چکی ہے، جونکیں لگ چکی ہیں، اب مُسہل کی فکر ہے، سوا اس کے سب طرح کی خیر و عافیت ہے۔ مَیں ناتواں بہت ہو گیا ہوں، گویا صاحبِ فراش ہوں۔ کوئی شخص نیا تکلّف کی ملاقات کا آجائے تو اٹھ بیٹھتا ہوں، ورنہ پڑا رہتا ہوں۔ لیٹے لیٹے خط لکھتا ہوں، لیٹے لیٹے مسوّدات دیکھتا ہوں۔ اللہ! اللہ! اللہ!

غالب
صبح جمعہ ۱۴ر ماہِ اکتوبر ۱۸۶۴ء

(خطوطِ غالب مرتبہ مولانا غلام رسول مہر)

مشق

۱۔ مختصر جواب دیں:

(الف) علاء الدین علائی کے نام خط میں غالب نے کس کس عالم کا ذکر کیا ہے؟

(ب) غالب کے خیال میں عام قاعدہ کے مطابق عالمِ آب و گل کے مجرم کہاں سزا پاتے ہیں؟

(ج) بیڑی اور ہتھکڑیوں سے غالب کیا مراد لیتے ہیں؟ وضاحت کریں۔

(د) ''میر بادشاہ میرے پاس آئے تھے۔ تمھاری خیر و عافیت ان سے معلوم ہوئی تھی۔'' تفتہ کے نام خط میں ''میر بادشاہ'' کسے کہا گیا ہے؟

(ہ) مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام لکھے گئے خط میں مرزا غالب نے کن برتنوں کا ذکر کیا ہے؟

(و) نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کی بیماری کی کیا صورتِ حال بیان کی گئی ہے؟

۲۔ درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) خط کا متبادل لفظ ہے:

(الف) مراسلہ (ب) خریطہ (ج) قلم (د) کاغذ

(ii) ''جانِ غالب! تم تو ثمرِ نورس ہو اس نہال کے جس نے میری آنکھوں کے سامنے نشوونما پائی ہے۔'' غالب نے یہ جملہ لکھا:

(الف) مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام (ب) علاء الدین علائی کے نام

(ج) نواب مصطفیٰ خاں کے نام (د) میر قاسم علی کے نام

(iii) خط کے مطابق علاء الدین علائی کا مسکن ہے:

(الف) دہلی (ب) لوہارو (ج) لکھنؤ (د) رام پور

(iv) غالب نے اپنے آپ کو گناہ گار کہا ہے:

(الف) عالمِ ارواح کا (ب) عالمِ آب وگل کا (ج) عالمِ برزخ کا (د) عالمِ بالا

(v) مرزا ہرگوپال تفتہ نے غالب کو اصلاح کے لیے بھیجا:

(الف) قصیدے (ب) غزلیں (ج) مرثیے (د) حمدیں اور نعتیں

۳۔ درج ذیل الفاظ وتراکیب کے معانی لکھیں:

کوس، وصال، خیروعافیت، مسموع، مسوّدہ، بلادِشرقیہ، کشتیِ نوح

۴۔ متن کو مدِنظر رکھتے ہوئے مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں:

(الف) میرا عذر۔۔۔۔مسموع نہ ہو جب تک نہ سمجھ لو۔

(ب) دلّی شہر کو زندان مقرر کیا اور مجھے اس۔۔۔۔میں ڈال دیا۔

(ج) مَیں آٹھویں رجب ۱۲۱۲ھ میں۔۔۔۔۔کے واسطے یہاں بھیجا گیا۔

(د) میں بھی بعدِ نجات سیدھا عالم۔۔۔۔۔۔۔۔ کو چلا جاؤں گا۔

(ہ) میں ناتواں بہت ہو گیا ہوں، گویا۔۔۔۔۔ہوں۔

۵۔ کالم ''الف'' میں دیے گئے الفاظ کو کالم ''ب'' کے متعلقہ الفاظ سے ملائیں:

کالم: (الف)	کالم: (ب)
ہجر	آواز
زمزمہ	نثر
خوش	نالے
نظم	زندان
ندی	پرواز
ہتھکڑی	وصال

۶۔ طلبہ باہمی گفت وشنید سے درج ذیل بیانات میں سے صحیح اور غلط کی نشان دہی کریں:

(الف) غالب نے لکھا کہ میں تین برس بلادِشرقیہ میں پھرتا رہا۔ صحیح / غلط

(ب) ''جانِ غالب! تم تو ثمرِ نورس ہو۔'' غالب کے یہ الفاظ مرزا تفتہ کے لیے ہیں۔ صحیح / غلط

(ج) نواب مصطفیٰ خاں ،احسن اللہ خاں کے معالج تھے۔ صحیح / غلط

(د) ''خطوطِ غالب'' مولانا غلام رسول مہر کی مرتبہ کتاب ہے۔ صحیح / غلط

۷۔ دی گئی عبارت کو پڑھیں اور پوچھے گئے سوالات کے جوابات دیں:

جدید سائنسی ایجادات نے مواصلات کے نظام میں اَن گنت تبدیلیاں برپا کر دی ہیں۔ ریڈیو، ٹیلی وژن، ٹیلی فون، موبائل فون، فیکس اور انٹرنیٹ، وہ ایجادات ہیں جن کے سبب ہم ساری دنیا کو اپنے سامنے موجود پاتے ہیں۔ اب یہ ممکن ہو چکا ہے کہ ہم کسی بھی وقت اور کسی بھی جگہ ہزاروں میل دور بیٹھے کسی بھی شخص کو براہِ راست دیکھ سکتے ہیں اور اس سے گفت گو کر سکتے ہیں۔ انٹرنیٹ پر ای میل کے ذریعے چند سیکنڈ میں ہزاروں کلومیٹر دور دوستوں کو پیغامات، مضامین، کہانیاں، اسباق اور اشعار وغیرہ بھیجے جا سکتے ہیں۔ موجودہ دور میں موبائل فون سے بھی کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کا کام لیا جا رہا ہے۔ طلبہ کمپیوٹر کو سامنے رکھ کر انٹرنیٹ کے ذریعے کسی بھی تعلیمی ادارے، کسی بھی شعبۂ تعلیم اور کسی بھی کتاب کے بارے میں بھرپور معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ ان سہولیات نے ہمارے درس و تدریس کے نظام کو بہت مؤثر، علاج معالجے کی مستند معلومات کی فراہمی کو آسان اور معلوماتِ عامہ تک عام آدمی کی رسائی کو ممکن بنا دیا ہے۔

سوالات:

- عبارت کے حوالے سے بتائیں کہ کن سائنسی ایجادات کا تعلق مواصلات کے نظام سے ہے؟
- انٹرنیٹ کے کیا فوائد ہیں؟
- موجودہ دور میں موبائل فون سے کیا کیا کام لیا جا سکتا ہے؟
- عبارت میں جدید مواصلاتی سہولیات سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے کن دو اہم شعبوں کا ذکر کیا گیا ہے؟
- اس عبارت کا مناسب عنوان تجویز کریں۔

حروف ندائیہ / فجائیہ (!): ندائیہ اور فجائیہ کے جملوں کے لیے اگرچہ ایک ہی علامت (!) استعمال ہوتی ہے لیکن دونوں جملے اپنی نوعیّت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔

ندائیہ (!): ندائیہ کا لفظ ندا سے بنا ہے جس کے معنی ہیں آواز دینا، پکارنا، مخاطب کرنا، بُلانا وغیرہ۔ مثلاً:

(الف) ارے لڑکے! میری بات سنو۔ (ب) سبزی والے! ذرا رکنا۔

(ج) حضرات! ایک ضروری اعلان سنیے۔ (د) عزیز طلبہ! آج ہم حکایاتِ سعدیؒ کے متعلق گفت گو کریں گے۔

فجائیہ (!): فجائیہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی ہیں اچانک، فوراً، یکایک وغیرہ۔ اُردو زبان میں جب کسی جوش، غم و غصّے، حیرت و تعجب، نفرت، خوف، تمنّا، تحسین یا تحقیر جیسے کسی جذبے کا اظہار کیا جائے تو ایسے جملے یا لفظ کے بعد (!) کی علامت استعمال کی جاتی ہے۔ مثلاً:

(الف) حروفِ تاسّف: افسوس! اُس نے میری قدر نہ کی۔

(ب) حروفِ تعجب: سبحان اللہ! کتنا سہانا موسم ہے۔

(ج) حروفِ نفرین: لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ! مَیں نے آج یہ کس کی صورت دیکھ لی۔

(د) حروفِ تمنّا: کاش! تم نے محنت کی ہوتی۔

(ہ) حروفِ تحسین: واہ وا! کیا کارکردگی دکھائی آپ نے۔

۸۔ طلبہ مکاتیبِ غالب کے زیرِ عنوان دونوں خطوط توجہ سے پڑھیں اور ندائیہ/فجائیہ حروف تلاش کر کے اپنی نوٹ بک میں درج کریں۔

۹۔ سیاق وسباق کے حوالے سے درج ذیل اقتباسات کی تشریح کریں اور حوالۂ متن بھی درج کریں:

- ''فکرِ نظم ونثر کو مشقت ٹھہرایا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔سیدھا عالمِ ارواح کو چلا جاؤں گا۔''
- ''تم سچ کہتے ہو کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اب۔نجات ہوئی ہے۔''

سرگرمی برائے طلبہ:

- اس سبق کی روشنی میں خط کے اجزا کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آپ اپنے دوست کو ''خط کی جدید شکل ای میل ہے'' کے حوالے سے خط لکھیں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام:

- طلبہ کو انفارمیشن ٹیکنالوجی (پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا) کے جدید ذرائع سے متعلق آگاہ کریں۔
- طلبہ کو تختۂ تحریر کی مدد سے ندائیہ اور فجائیہ کی مزید مثالیں دیں۔
- خطوط نویسی کے حوالے سے طلبہ کو انٹرنیٹ کی مدد سے قائدِ اعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کے خطوط کے عکس دکھائیں۔

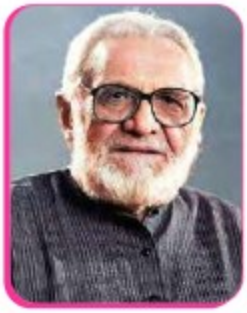

اشفاق احمد

(۱۹۲۵ء۔ ۲۰۰۴ء)

اشفاق احمد خاں؛ المعروف تلقین شاہ ہوشیار پور (مشرقی پنجاب، انڈیا) کے ایک چھوٹے سے گاؤں خان پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام محمد خاں ہے جو محکمہ لائیوسٹاک میں ڈاکٹر تھے۔ میٹرک فیروز پور کے نواحی قصبے مکستر اور ایف۔اے، بی۔اے کے امتحانات فیروز پور سے پاس کیے۔ قیامِ پاکستان کے بعد آپ کا خاندان ہجرت کر کے پاکستان آ گیا تو آپ نے گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے اُردو کیا۔

اشفاق احمد بحیثیت پروفیسر، دیال سنگھ کالج لاہور، روم یونیورسٹی اٹلی اور پنجاب یونیورسٹی لاہور میں خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۹۶۷ء میں انھوں نے بحیثیت ڈائریکٹر مرکزی اُردو بورڈ میں فرائضِ منصبی سنبھال لیے اور ادارے کو ترقّی کی راہ پر گام زن کیا۔ انھوں نے علمی و ادبی سطح پر بھرپور زندگی بسر کی۔

اشفاق احمد؛ بیسویں صدی کے ادبی افق پر افسانہ نگار، ڈراما نویس، سفر نامہ نگار، نقّاد، فیچر نگار، مترجم، شاعر، فلسفی اور دانشور کی حیثیت سے اُبھرے۔ وہ بنیادی طور پر قصّہ گو ادیب اور کہانی نویس تھے۔ اُن کی مختلف النّوع تخلیقی جہات میں کہانی کی مختلف اشکال ظہور پذیر ہوئیں۔ اُن کی قصّہ گوئی اور جادو بیانی کا مظہر اُن کا مقبول ٹیلی وژن پروگرام ''زاویہ'' تھا جس میں وہ بصیرت افروز گفت گو کرتے اور نوجوانوں کی فکری راہ نمائی کا فریضہ نبھاتے۔ انھوں نے پچاس کے قریب کتابیں تصنیف کیں جو ان کے سہل، رواں اور بے تکلّف اندازِ بیان کی عکّاس ہیں۔ ان کا لب ولہجہ منفرد اور شیرینیِ گفتار سے بھرپور ہے۔ انھیں حکومتِ پاکستان کی جانب سے ''تمغا برائے حسنِ کارکردگی''، ''ستارۂ امتیاز'' اور ''ہلالِ امتیاز'' کے قومی اعزازات سے نوازا گیا۔

اشفاق احمد کی معروف تصانیف میں ''ایک محبت سو افسانے''، ''سفرِ مینا''، ''اُجلے پھول''، ''من چلے کا سودا''، ''حیرت کدہ''، ''ننگے پاؤں''، ''تلقین شاہ (ریڈیو پروگرام)''، ''ٹاہلی تھلے''، ''اُچے بُرج لاہور دے''، ''تو تا کہانی''، ''زاویہ'' (ٹیلی وژن سیریز)، ''کھٹیا وٹیا'' اور ''سفر در سفر'' وغیرہ شامل ہیں۔

سبق: ۶

ایک اُستاد عدالت کے کٹہرے میں

تدریسی مقاصد:

- طلبہ کو پاکستانی اور عالمی ثقافت سے متعارف کرانا۔
- طلبہ کی اخلاقی تربیت کرنا۔
- طلبہ کو اشفاق احمد اور ان جیسے مشاہیر کی زندگی کے تجربات سے سبق حاصل کرنے کی تربیت کرنا۔
- طلبہ میں اُردو ادب کے مختلف اور منفرد اسالیبِ بیان سے محظوظ ہونے کی صلاحیت پیدا کرنا۔
- متشابہ الفاظ کی شناخت کرنا اور محاوروں سے جملے بنانا۔
- طلبہ کو تحریک دینا کہ وہ بھی اپنی تخلیقات پیش کریں۔

جس زمانے میں مَیں روم میں لیکچرر تھا، روم یونیورسٹی میں، مَیں سب سے Youngest پروفیسر تھا۔ یونیورسٹیوں میں چھٹیاں تھیں، گرمیوں کا زمانہ تھا۔ دوپہر کے وقت ریڈیو سٹیشن پر مجھے اُردو براڈ کاسٹنگ کرنی پڑتی تھی۔ روم میں دوپہر کے وقت سب لوگ قیلولہ کرتے تھے۔ چار بجے تک سوتے تھے اور روم کی سڑکیں تقریباً خالی ہوتی تھیں اور کارپوریشن نے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ وہ وہاں پر پانی کے حوض لگا کر سڑکیں دھوتے ہیں، اور شام تک سڑکیں ٹھنڈی بھی ہو جاتی ہیں، خوش گوار بھی ہو جاتی ہیں، صاف بھی ہو جاتی ہیں؛ تو وہ سڑکوں کو دھو رہے تھے۔ اِکا دُکا کوئی ٹریفک کی سواری آ جا رہی تھی تو مَیں اپنی گاڑی چلاتا ہوا جا رہا تھا۔ اب دیکھیے انسان کے ساتھ ساتھ ایک دیسی مزاج چلتا ہے، آدمی کہیں بھی چلا جائے، تو مَیں گاڑی چلا رہا تھا۔ مَیں نے دیکھا کہ گول دائرہ ہے، اس کے اوپر سے مَیں چکر کاٹ کے آؤں گا۔ پھر مَیں اپنے گھر کی طرف مڑوں گا تو یہ بڑی بے ہودہ بات ہے۔ بیچ میں سے چلتے ہیں۔ اس وقت کون دیکھتا ہے، دوپہر کا وقت ہے، تو مَیں بیچ میں سے گزرا۔ وہاں ایک سپاہی کھڑا تھا، اُس نے مجھے دیکھا، اور اُس نے پروا نہیں کی۔ جانے دیا کہ یہ جا رہا ہے۔ جب مَیں نے دیکھا شیشے میں سے گردن گھما کے، کچھ مجھے تھوڑا سا یاد پڑتا ہے کہ مَیں طنزاً مسکرایا۔ کچھ اپنی فیٹ (Fate) کے اوپر، کچھ اپنی کامیابی کے اوپر۔ مَیں نے خوشی منانے کے لیے ایک مسکراہٹ کا پھول اس کی طرف پھینکا۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ اس نے میری یہ عزت کی ہے تو اس نے سیٹی بجا کے روک لیا۔ اب وہاں پر سیٹی بجنا موت کے برابر تھا اور رُکنا بھی تھا۔ مَیں رُکا، وہ آ گیا، اور آ کے کھڑا ہو گیا۔ پہلے سلیوٹ کیا۔ ولایت میں رواج ہے کہ جب بھی آپ کا چالان کرتے ہیں، آپ کو پکڑنا ہوتا ہے تو سب سے پہلے آ کر سلیوٹ مارتے ہیں۔ تو اس نے کھڑے ہو کر سلیوٹ مارا۔ اب مَیں اندر تھر تھر کانپ رہا ہوں۔ شیشہ مَیں نے نیچے کیا تو مجھے کہنے لگا کہ آپ کا لائسنس! تو مَیں نے اس سے کہا مَیں زبان نہیں جانتا۔ اس نے کہا، چنگی بھلی بول رہے ہو۔ مَیں نے کہا، مَیں نہیں جانتا تم ایسے ہی جھوٹ بول رہے ہو۔ مَیں تو نہیں جانتا ہوں۔ اس نے کہا نہیں، آپ اپنا لائسنس دیں۔ تو مَیں نے کہا، فرض کریں جس کے پاس اس کا لائسنس نہ ہو تو پھر وہ کیا کرے؟ اس نے کہا، کوئی بات نہیں! مَیں آپ کا چالان کر

دیتا ہوں، پرچی پھاڑ کے تو یہ آپ لے جائیں اور جرمانہ جمع کروادیں۔ مَیں تو ایسے ہی ہانک رہا تھا۔ مَیں نے کہا، مجھ سے غلطی ہوگئی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا غلطی ہوگئی تھی تو چلے جاتے۔ اس نے بغیر مجھ سے پوچھے کاپی نکالی اور چالان کردیا۔ اور چالان بھی بڑا سخت، بارہ آنے جرمانہ۔ مَیں نے لے لی پرچی۔ مَیں نے کہا، مَیں اس کو لے کر کیا کروں؟ اس نے کہا اپنے کسی بھی قریبی ڈاک خانے میں منی آرڈر کی کھڑکی پر جمع کروادیں۔ بس وہاں کچہری نہیں جانا پڑتا، دھکے نہیں کھانے پڑتے۔ بس آپ کا جرمانہ ہوگیا، آپ ڈاک خانے میں دیں گے تو بس۔ مَیں جب چالان کروا کے گھر آ گیا تو مَیں نے اپنی لینڈ لیڈی سے کہا، میرا چالان ہوگیا ہے۔ کہنے لگی، آپ کا؟ مَیں نے کہا، مَیں کیا کروں۔ اب ان کو ایسے لگا کہ ہمارے گھر میں جیسے ایک بڑا مجرم رہتا ہے۔ اور اس نے اپنی بیٹی کو بتایا کہ پروفیسر کا چالان ہوگیا ہے۔ بڈھی مائی تھی۔ ان کی ایک ساس تھی، اس کو بھی بتایا، سارے روتے ہوئے میرے پاس آ گئے۔ مَیں بڑا ڈرا کہ یااللہ! یہ کیا۔ کہنے لگے تُو شریف آدمی لگتا تھا۔ اچھے خاندان کا، اچھے گھر کا لگتا تھا۔ ہم نے تجھے یہ کرائے پر کمرہ بھی دیا ہوا ہے لیکن تُو ویسا نہیں نکلا۔ خیر! گھر خالی کرنے کو تو نہیں کہا۔ جو بڈھی مائی تھی، ان کی ساس، اس نے کہا، ہوتو گیا ہے برخوردار چالان، لیکن کسی سے ذکر نہ کرنا۔ محلے داری کا معاملہ ہے۔ اگر ان کو پتا چل گیا کہ اس کا چالان ہوگیا ہے تو بڑی رُسوائی ہوگی۔ لوگوں کو پتا چلے گا۔ مَیں نے کہا نہیں، مَیں پتا نہیں لگنے دوں گا۔

میری لاأبالی طبیعت، چھبیس سال کی عمر تھی۔ چالان جیب میں ڈالا اور نکل گیا دوستوں سے ملنے۔ اگلے دن مجھے جمع کروانا تھا، بھول گیا۔ پھر سارا دن گزر گیا۔ اس سے اگلے دن مجھے اصولاً جمع کروادینا چاہیے تھا تو مَیں نے کپڑے بدلے تو وہ پرانے کوٹ میں رہ گیا۔

شام کے وقت مجھے ایک تار ملا کہ محترمی جناب پروفیسر صاحب! فلاں فلاں مقام پر فلاں چوراہے پر آپ کا چالان کردیا گیا تھا، فلاں سپاہی نے۔ یہ نمبر ہے آپ کے چالان کا۔ آپ نے ابھی تک کہیں بھی چالان کے پیسے جمع نہیں کروائے۔ یہ بڑی حکم عدولی ہے۔ مہربانی فرما کر اسے جمع کروادیں۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ تقریباً اکیس روپے کا تار تھا۔ مَیں نے سارے لفظ گنے۔ مجھ سے یہ کوتاہی ہوئی کہ مَیں پھر بھول گیا، اور ان کا پھر ایک اور تار آیا۔ اگر آپ اب بھی رقم جمع نہیں کروائیں گے تو پھر ہمیں افسوس ہے کہ کورٹ میں پیش کردینا پڑے گا۔ مجھ سے کوتاہی ہوئی، نہیں جا سکا۔ تب مجھے کورٹ سے ایک سمن آ گیا کہ فلاں تاریخ کو عدالت میں پیش ہوجائیں، اور یہ جو آپ نے حکم عدولی کی ہے، قانون توڑا ہے، اس کے بارے میں آپ سے پورا انصاف کیا جائے گا۔

اب مَیں ڈرا۔ میری سٹّی گم ہوئی۔ پریشان ہوا کہ اب مَیں دیارِ غیر میں ہوں۔ کوئی میرا حامی و ناصر، مددگار نہیں ہے۔ مَیں کس کو اپنا والی بناؤں گا۔ میرا ڈاکٹر تھا۔ ''ڈاکٹر بالدی'' اس کا نام تھا، نوجوان تھا۔ مَیں نے اس سے کہا، مجھے وکیل کردو۔ اس نے کہا، میرا ایک دوست ہے۔ اس کے پاس چلتے ہیں۔ اس کے پاس گئے۔ اس نے کہا، یہ تھوڑا سا پیچیدہ ہوجائے گا، اگر مَیں گیا عدالت میں۔ بہتر یہی ہے پروفیسر صاحب جائیں، اور جا کر خود Face کریں۔ عدالت کی خدمت میں یہ عرض کریں کہ مَیں چوں کہ اس قانون کو ٹھیک طرح سے نہیں جانتا تھا۔ مَیں یہاں پر ایک غیر ملکی ہوں تو مجھے معافی دی جائے۔ مَیں ایسا آیندہ نہیں کروں گا۔ مَیں نے کہا ٹھیک ہے۔ چناں چہ مَیں ڈرتا ڈرتا چلا گیا۔

اگر آپ کو روم جانے کا اتفاق ہوتو ''پالاس آف دی جسٹی'' Palace of Justice وہ رومن زمانے کا بہت بڑا وسیع و عریض ہے، اُسے تلاش کرتے کرتے ہم اپنے جج صاحب کے کمرے میں پہنچے تو وہ وہاں تشریف فرما تھے۔ مجھے ترتیب کے ساتھ بلایا گیا تو مَیں چلا گیا۔ اب

بالکل میرے بدن میں روح نہیں ہے، اور میں خوف زدہ ہوں، اور کانپنے کی بھی مجھ میں جرأت نہیں۔ اس لیے کہ تشنج جیسی کیفیت ہوگئی تھی۔

انھوں نے حکم دیا، آپ کھڑے ہوں اس کٹہرے کے اندر۔ اب عدالت نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کا چالان ہوا تھا، اور آپ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ آپ یہ بارہ آنے ڈاک خانے میں جمع کروائیں، کیوں نہیں کروائے؟ مَیں نے کہا، جی مجھ سے کوتاہی ہوئی، مجھے کروانے چاہییں تھے، لیکن مَیں۔۔۔ اس نے کہا، کتنا وقت عملے کا ضائع ہوا۔ کتنا پولیس کا ہوا، اب کتنا ''جستیک'' کا ہوا (جسٹس عدالت کا ہو رہا ہے) اور آپ کو اس بات کا احساس ہونا چاہیے تھا۔ ہم اس کے بارے میں آپ کو کڑی سزا دیں گے۔

مَیں نے کہا، مَیں یہاں پر ایک فارنر ہوں۔ پردیسی ہوں۔ جیسا ہمارا بہانہ ہوتا ہے، مَیں کچھ زیادہ آداب نہیں سمجھتا۔ قانون سے مَیں واقف نہیں ہوں تو مجھ پر مہربانی فرمائیں۔ انھوں نے کہا، آپ زبان تو ٹھیک ٹھاک بولتے ہیں۔ وضاحت کر رہے ہیں۔ آپ کیا کرتے ہیں، تو مَیں چُپ کر کے کھڑا رہا۔ پھر انھوں نے پوچھا کہ عدالت آپ سے پوچھتی ہے کہ آپ کون ہیں اور آپ کا پیشہ کیا ہے؟ مَیں نے کہا، مَیں ایک ٹیچر ہوں، پروفیسر ہوں روم یونیورسٹی میں، تو وہ جج صاحب کرسی کو سائیڈ پر کر کے کھڑا ہو گیا اور اس نے اعلان کیا:

"Teacher in the Court, Teacher in the Court."

جیسے اعلان کیا جاتا ہے، اور وہ سارے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ منشی، تھانے دار، عمل دار، جتنے بھی تھے اور اس نے حکم دیا کہ:

"A teacher has come to the court, Chair should be brought for the teacher."

اب وہ کٹہرا چھوٹا سا، مَیں اس کو پکڑ کر کھڑا ہوں۔ وہ کرسی لے آئے۔ حکم ہوا کہ تو Teacher ہے، کھڑا نہیں رہ سکتا۔ تو پھر اس نے ایک بانی پڑھنی شروع کی۔ جج نے کہا کہ اے معزز استاد! اے دنیا کو علم عطا کرنے والے استاد! اے محترم ترین انسان! اے محترم انسانیت! آپ نے ہی ہم کو عدالت کا، اور عدل کا حکم دیا ہے، اور آپ ہی نے ہم کو یہ علم پڑھایا ہے، اور آپ ہی کی بدولت ہم اس جگہ پر براجمان ہیں۔ اس لیے ہم آپ کے فرمان کے مطابق مجبور ہیں۔ عدالت نے جو ضابطہ قائم کیا ہے، اس کے تحت آپ کو چیک کریں، باوجود اس کے کہ ہمیں اس بات کی شرمندگی ہے، اور ہم بے حد افسردہ ہیں کہ ہم ایک استاد کو جس سے محترم، اور کوئی نہیں ہوتا، اپنی عدالت میں ٹرائل کر رہے ہیں، اور یہ کسی بھی جج کے لیے انتہائی تکلیف دِہ موقع ہے کہ کورٹ میں، کٹہرے میں ایک استادِ مکرم ہو اور اس سے Trial کیا جائے۔

اب مَیں شرمندہ اپنی جگہ پر، یا اللہ! یہ کیا شروع ہو رہا ہے۔ مَیں نے کہا، حضور جو بھی آپ کا قانون ہے، علم یا جیسے کیسے بھی آپ کا ضابطہ ہے، اس کے مطابق کریں، مَیں حاضر ہوں۔ تو انھوں نے کہا، ہم نہایت شرمندگی کے ساتھ، اور نہایت دکھ کے ساتھ اور گہرے الم کے ساتھ آپ کو ڈبل جرمانہ کرتے ہیں۔ ڈیڑھ روپیا ہو گیا۔

اب جب مَیں اُٹھ کے اس کرسی میں سے اس کٹہرے میں سے نکل کر شرمندہ، باہر نکلنے کی کوششیں کر رہا تھا۔ وہ جو جج، اس کا عملہ تھا، اس کے منشی تھے وہ سارے جناب میرے پیچھے پیچھے (A teacher in the court) کہے جا رہے تھے کہ ہم احترامِ فائقہ کے ساتھ آپ کو رخصت کرتے ہیں۔ مَیں کہوں، میری جان چھوڑیں۔ یہ باہر نکل کر میرے ساتھ کیا کریں گے۔ آگے تک میری موٹر تک مجھے چھوڑ کے آئے۔ جب تک مَیں وہاں سے سٹارٹ نہیں ہو گیا، وہ عملہ وہاں پر ایسے ہی کھڑا تھا۔

اب مَیں لوٹ کے آیا تو مَیں سمجھا، یااللہ! مَیں بڑا معزز آدمی ہوں، اور محلے والوں کو بھی آ کر بتایا کہ مَیں ایسے گیا تھا، اور وہاں پر یہ یہ ہوا۔ وہ بھی جناب، اور میری جولینڈ لیڈی تھی، وہ بھی بڑی خوشی کے ساتھ محلے میں چوڑی ہو کے گھوم رہی تھی کہ دیکھو ہمارا یہ ٹیچر گیا، اور کورٹ نے اتنی عزّت کی۔ اس کی عزّت افزائی ہوئی تو مَیں یہ سمجھا کہ اس کے ساتھ ساتھ میری تنخواہ میں بھی اضافہ ہوگا۔

دیسی آدمی جو ہے ناں وہ چاہے ٹیچر بھی ہو، وہ گریڈ کا ضرور سوچے گا۔ کتنی بھی آپ عزّت دے دیں، کتنا بھی احترام دے دیں، وہ پھر بھی ضرور سوچے گا کہ مجھے کہیں سے چار پیسے بھی ملیں گے کہ نہیں، مَیں نے اپنے ریکٹر سے پوچھا، تو اس نے کہا نہیں تنخواہ یہاں پروفیسر کی اتنی ہی ہے جتنی تمھارے پاکستان میں ہے۔ وہ کوئی مالی طور پر اتنے بڑے نہیں ہیں لیکن عزّت کے اعتبار سے بہت بڑے ہیں۔ رتبہ ان کا بہت زیادہ ہے، اور کوئی شخص یہاں کوئی بیوروکریٹ ہو، یہاں کوئی جج ہو۔ آپ نے دیکھ ہی لیا ہے۔ یہاں کا تاجر ہو، یہاں کا فیوڈل لارڈ ہو، وہ استاد کے رتبے کے پیچھے اس طرح چلتا ہے، جیسے روم کے دنوں میں غلام اپنے آقا کے پیچھے چلتے تھے۔ مالی طور پر وہ بھی بے چارے ہیں۔ یہی ان کا کمال ہے کہ مالی طور پر کمتر ہیں لیکن رتبے کے اعتبار سے بہت اونچے ہیں جیسے سقراط جوتھا، وہ اپنے کھنڈروں میں، اور فورم میں کھڑا ہو کے ننگے پاؤں بات کرتا تھا لیکن اس کا احترام تھا۔

(زاویہ)

مشق

۱۔ مختصر جواب دیجیے:

(الف) اشفاق احمد کی کتاب ''زاویہ'' کن موضوعات پر مشتمل ہے؟

(ب) اشفاق احمد روم میں کون سے فرائض انجام دیتے تھے؟

(ج) روم میں اکثر لوگ دوپہر کا وقت کیسے گزارتے ہیں؟

(د) مصنّف کا چالان کیوں ہوا؟

(ہ) جج نے مصنّف کو بطور استاد کیسے مخاطب کیا؟

۲۔ درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) سبق کے متن کے مطابق روم کی سڑکیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں:

(الف) بارش سے (ب) دھونے سے (ج) موسم سے (د) سائے سے

(ii) ''میں طنزاً مسکرایا، کچھ اپنی فیٹ (Fate) کے اوپر، کچھ اپنی کامیابی کے اوپر۔'' جملے میں ''فیٹ'' سے مراد ہے:

(الف) قسمت (ب) شخصیت (ج) دولت (د) واقفیت

(iii) روم میں چالان کے جرمانے کی رقم جمع کرانے کا عام ذریعہ تھا:

(الف) آن لائن (ب) منی آرڈر (ج) چیک (د) دستی

(iv) متن کے مطابق اس وقت مصنف کی عمر تھی:

(الف) بائیس سال (ب) چوبیس سال (ج) چھبیس سال (د) اٹھائیس سال

(v) جج کا ''Teacher in the Court'' کہہ کر کھڑے ہونے کا سبب تھا:

(الف) احترام (ب) خوف (ج) پریشانی (د) غصّہ

۳۔ متن کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مناسب لفظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں:

(الف) فرض کریں جس کے پاس اس کا۔۔۔۔نہ ہو تو پھر وہ کیا کرے۔

(ب) میں نے خوشی منانے کے لیے ایک۔۔۔۔کا پھول اس کی طرف پھینکا۔

(ج) بس وہاں۔۔۔۔نہیں جانا پڑتا، دھکے نہیں کھانے پڑتے۔

(د) تقریباً۔۔۔۔روپے کا تار تھا۔

(ہ) ہم نہایت شرمندگی کے ساتھ، اور نہایت دکھ کے ساتھ آپ کو۔۔۔۔جرمانہ کرتے ہیں۔

۴۔ اس سبق میں سے انگریزی کے الفاظ تلاش کر کے اُن کا مفہوم بتائیں۔

۵۔ استاد کے احترام کے متعلق ایک دوسرے سے گفت گو کریں اور بتائیں کہ مذہبی اور اخلاقی لحاظ سے استاد کا احترام کیسے کیا جاتا ہے؟

۶۔ دی گئی عبارت کو پڑھیں اور پوچھے گئے سوالات کے جوابات دیں:

ہمیں پرنٹ میڈیا، الیکٹرانک میڈیا اور دیگر ذرائع سے آئے روز بچّوں سے بدسلوکی، اُن کے اغوا اور قتل کی خبریں سننے کو ملتی ہیں۔ اس کی روک تھام کے لیے بہت سے اقدامات اٹھانے کی فوری طور پر ضرورت ہے۔ بچّوں کو ہوشیار کرنا ہوگا کہ اگر کوئی اجنبی انھیں کھانے کی کوئی چیز دے تو لے کر نہ کھائیں۔ اگر انھیں کوئی کسی چیز کا لالچ دے کر کوئی غلط حرکت کرے، بہانے سے ورغلائے یا اپنے ساتھ لے جانا چاہے، تو اس کے ساتھ ہرگز نہ جائیں بلکہ شور مچادیں اور اپنی ہر بات اپنے والدین کو بتائیں۔ بچّے اپنے والدین کو بغیر بتائے گھر سے باہر نہ نکلیں۔ اس سلسلے میں والدین اور بچّوں کے بڑے بھائی بہنوں کو بھی اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ ماں اور باپ دونوں کو اس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ اپنے بچّوں کو سکول میں وقت سے پہلے نہ بھیجیں اور چھٹی کے بعد تنہا نہ چھوڑیں۔ بچّوں کے ذرائعِ آمد و رفت کا محفوظ تر انتظام کریں۔ بچّوں کے دوستوں پر نظر رکھیں اور بچّوں سے یہ بھی کہیں کہ کسی پر اندھا اعتماد نہیں کرنا۔ کوئی بھی شخص چاہے وہ دوست یا رشتے دار ہو یا اُستاد ہی کیوں نہ ہو، اگر آپ کو ضرورت سے زیادہ رعایت یا بلا وجہ فائدہ پہنچانے کی کوشش کرے تو اسے ہمیشہ شک کی نظر سے دیکھیں۔ بچّوں کو اس بات کا بھی اعتماد دیں کہ وہ بچّے کی ہر بات غور سے سنیں گے اور اس کی ہر بات کا یقین بھی کریں گے۔ اسکول انتظامیہ کی بھرپور ذمہ داری ہے کہ بچّوں کے تحفّظ کے لیے باقاعدہ اور منظم پروگرام ترتیب دے اور بہر صورت ان کی حفاظت کو یقینی بنایا جائے۔

سوالات:

(i) بچے خود اپنی حفاظت کیسے کریں؟

(ii) بچوں کی حفاظت کے سلسلے میں والدین کی کیا ذمہ داری ہے؟

(iii) آپ کسی بچے کے بڑے بہن بھائی ہیں تو اس کی حفاظت کیسے کریں گے؟

(iv) بچوں کی حفاظت کے لیے اسکول انتظامیہ کی کیا ذمہ داری ہے؟

(v) اس اقتباس کا مناسب عنوان تجویز کریں۔

۷۔ درج ذیل جملوں کی درستی کریں:

(الف) اس جملے کی درستگی کرو۔ (ب) عارف نے دو مَن گیہوں خریدی۔

(ج) علی نے اخبار پڑھ لی ہے۔ (د) میں آپ کی خیریت نیک مطلوب چاہتا ہوں۔

(ہ) یہ راستہ شارع عام نہیں ہے۔ (و) دونوں بچوں کے قد میں اٹھارہ بیس کا فرق ہے۔

محاورہ: محاورہ اہلِ زبان ہی کی بول چال سے رواج پاتا ہے۔ محاورہ اپنے حقیقی معنوں کے بجائے مجازی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ محاورہ دو یا دو سے زیادہ الفاظ کا مرکب ہوتا ہے۔ مثلاً: نیند حرام ہونا، نو دو گیارہ ہونا، تارے گننا، غم کھانا، غصہ پینا وغیرہ۔

۸۔ درج ذیل محاورات کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے:

اپنا سا مُنھ لے کر رہ جانا، آسمان سر پر اُٹھانا، ہوش کے ناخن لینا، عقل پر پتھر پڑھنا، اوسان خطا ہونا۔

متشابہ الفاظ:

متشابہ الفاظ سے مراد وہ الفاظ ہیں، جو اپنی صَوت یا شکل کے لحاظ سے تو ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہوں لیکن اعراب، املا اور معنی کے لحاظ سے مختلف ہوں۔ متشابہ الفاظ کی درج ذیل صورتیں ہیں:

(الف) وہ الفاظ جن کا املا تو ایک جیسا ہو لیکن اعراب کی تبدیلی کی وجہ سے ان کے معانی میں فرق ہو مثلاً: دَر، دُر۔ مُلک، مَلَک۔ مِثل، مَثَل وغیرہ

(ب) وہ الفاظ جن کی آواز تو بظاہر ایک جیسی ہو لیکن ان کا املا اور معانی مختلف ہوں مثلاً: راضی، رازی۔ سفر، صَفر۔ طاب، تاب وغیرہ

۹۔ سبقی متن کو غور سے پڑھیں اور متشابہ الفاظ تلاش کر کے ان کی فہرست بنائیں۔

۱۰۔ سیاق و سباق کے حوالے سے درج ذیل اقتباس کی تشریح کریں اور حوالۂ متن بھی درج کریں:

''دیسی آدمی جو ہے نا وہ چاہے ٹیچر بھی ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔لیکن اس کا احترام تھا۔''

سرگرمیاں برائے طلبہ:

- اشفاق احمد کی کتاب ''زاویہ'' پڑھ کر جو تاثر آپ کے ذہن میں اُبھرے اُس کی روشنی میں اُن کا خاکہ تحریر کریں۔
- ''سفر در سفر'' کا مطالعہ کریں اور آپس میں اشفاق احمد کے اسلوب اور طرزِ بیان پر تبصرہ کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام:

- طلبہ کو آگاہ کریں کہ اردو کا دامن بہت وسیع ہے، اُردو میں انگلش اور دوسری یورپی زبانوں کے ان گنت الفاظ روزمرّہ گفت گو میں رواج پا چکے ہیں۔
- طلبہ کو محاورہ اور ضرب المثل کا فرق سمجھائیں۔
- طلبہ کو تختۂ تحریر کی مدد سے سمجھائیں کہ بعض الفاظ میں اِعراب کی تبدیلی سے ان کے معنوں میں زمین آسمان کا فرق پڑ جاتا ہے۔

برائے اضافی مطالعہ

''ماں خدا کی نعمت ہے اور اس کے پیار کا انداز سب سے الگ اور نرالا ہوتا ہے۔ بچپن میں ایک بار بادو باراں کا سخت طوفان تھا اور جب اس میں بجلی شدّت کے ساتھ کڑکی تو میں خوف زدہ ہو گیا۔ ڈر کے مارے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ میری ماں نے میرے اوپر کمبل ڈالا اور مجھے گود میں بٹھا لیا تو محسوس ہوا گویا میں امان میں آ گیا ہوں۔ میں نے کہا: ''اماں! اتنی بارش کیوں ہو رہی ہے؟''

اس نے کہا: ''بیٹا! پودے پیاسے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں پانی پلانا ہے اور اس بندوبست کے تحت بارش ہو رہی ہے۔''

میں نے کہا: ''ٹھیک ہے، پانی تو پلانا ہے لیکن یہ بجلی کیوں بار بار چمکتی ہے؟ یہ اتنا کیوں کڑکتی ہے؟''

وہ کہنے لگیں: ''روشنی کر کے پودوں کو پانی پلایا جائے گا، اندھیرے میں تو کسی کے منھ میں تو کسی کی ناک میں پانی چلا جائے گا، اس لیے بجلی کی کڑک چمک ضروری ہے۔''

مَیں ماں کے سینے کے ساتھ لگ کر سو گیا۔ پھر مجھے پتا نہیں چلا کہ بجلی کس قدر چمکتی رہی یا نہیں۔''

ماں جی: اشفاق احمد

رشید احمد صدیقی
(۱۸۹۲ء۔۱۹۷۷ء)

رشید احمد صدیقی قصبہ مڑیاہو، ضلع جَون پور، (یو۔پی، انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی اور میٹرک تک تعلیم جون پور کے سکول سے حاصل کی۔ مالی حالات سے مجبور ہو کر ضلع کچہری جون پور میں کلرک بھرتی ہو گئے، مگر ساتھ ساتھ تعلیم بھی جاری رکھی اور ایم اے او کالج، علی گڑھ سے ایم اے فارسی کا امتحان پاس کیا۔ بعد میں طالب علمی کے زمانے سے ہی انشائیہ طرز کے مزاحیہ مضامین لکھنے شروع کیے جنھیں تادمِ آخر لکھتے رہے۔ علاوہ ازیں وہ ۱۹۲۲ء میں شعبہ درس و تدریس سے منسلک ہو گئے اور جب علی گڑھ کالج، یونیورسٹی بن گیا تو ترقی پا کر علی گڑھ یونیورسٹی کے صدر شعبۂ اردو کے منصب تک جا پہنچے۔ اس طرح انھوں نے دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے علمی و ادبی طور پر ایک بھرپور زندگی بسر کی۔ ۱۵۔جنوری ۱۹۷۷ء کو رشید احمد صدیقی کا انتقال ہوا اور علی گڑھ یونیورسٹی کے قبرستان میں دفن ہیں۔

رشید احمد صدیقی نے مضمون نگاری، خاکہ نگاری اور خطوط نگاری کے میدان میں بھی شہرت حاصل کی۔ وہ اپنے عہد کے ایک نامور انشا پرداز تھے۔

رشید احمد صدیقی کو علی گڑھ سے خاص اُنس تھا۔ ان کی تحریروں میں علی گڑھ کی یادیں جگہ جگہ بکھری پڑی ہیں اور ان کے مزاج میں شائستگی اور خوش طبعی کے وافر عناصر ملتے ہیں۔ ان کا اسلوبِ بیان نہایت خوب صورت ہے۔ ان کے طنز و مزاح میں گہرا شعور پایا جاتا ہے۔ ان کی اہم تصانیف میں ''طنزیات و مضحکات''، ''مضامینِ رشید''، ''گنج ہائے گراں مایہ''، ''ہم نفسانِ رفتہ''، ''ہمارے ذاکر صاحب''، ''آشفتہ بیانی میری''، ''اُردو غزل'' اور ''مکاتیبِ رشید احمد صدیقی'' شامل ہیں۔

رشید احمد صدیقی کے علمی، ادبی اعزازات میں پدم شری ایوارڈ کے علاوہ ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ سمیت کئی دیگر ایوارڈ شامل ہیں۔

رشید احمد صدیقی کی صحت عمر کے کسی حصّے میں بھی قابلِ رشک نہیں رہی تھی۔ مدتوں انھیں گردے کی شدید تکلیف رہی۔ طویل علالت کے بعد علی گڑھ میں وفات پائی۔

سبق: ۷

چار پائی

تدریسی مقاصد:

- طلبہ کو صنفِ انشائیہ کے بارے میں بنیادی باتیں بتانا۔
- انشائیہ نگاری کی روایت اور ارتقا کا جائزہ لینا۔
- رشید احمد صدیقی کی ادبی خدمات سے روشناس کرانا۔
- طلبہ کو بتانا کہ ''چار پائی'' میں حقیقت نگاری، ادبی لطافت، رنگِ مزاح اور متنوع کیفیات ایک ساتھ جلوہ گر ہیں۔

چار پائی اور مذہب ہم ہندوستانیوں کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ ہم اسی پر پیدا ہوتے ہیں اور یہیں سے مدرسے، آفس، جیل خانے، کونسل، یا آخرت کا راستہ لیتے ہیں۔ چار پائی ہماری گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ ہم اس پر دوا کھاتے ہیں، دعا اور بھیک بھی مانگتے ہیں۔ کبھی فکرِ سُخن کرتے ہیں اور کبھی فکرِ قوم۔ اکثر فاقہ کرنے سے بھی باز نہیں آتے۔ ہم کو چار پائی پر اتنا ہی اعتماد ہے جتنا برطانیہ کو آئی۔ سی۔ ایس پر، شاعر کو قافیہ پر یا طالبِ علم کو غُل غپاڑے پر۔

چار پائی کی مثال ریاست کے ملازم سے دے سکتے ہیں۔ یہ ہر کام کے لیے ناموزوں ہوتا ہے، اس لیے ہر کام پر لگا دیا جاتا ہے۔ ایک ریاست میں کوئی صاحب ''ولایت پاس'' ہو کر آئے۔ ریاست میں کوئی اسامی نہ تھی جو ان کو دی جا سکتی۔ آدمی سوجھ بوجھ کے تھے، راجا صاحب کے کانوں تک یہ بات پہنچا دی کہ کوئی جگہ نہ ملی تو وہ لاٹ صاحب سے طے کر آئے ہیں۔ راجا صاحب ہی کی جگہ پر اکتفا کریں گے۔ ریاست میں ہلچل مچ گئی۔ اتفاق سے ریاست کے سول سرجن رخصت پر گئے ہوئے تھے، یہ ان کی جگہ پر تعینات کر دیے گئے۔ کچھ دنوں بعد سول سرجن صاحب واپس آئے تو انجینئر صاحب پر فالج گرا۔ ان کی جگہ ان کو دے دی گئی۔ آخری بار یہ خبر سنی گئی کہ وہ ریاست کے ہائی کورٹ کے چیف جسٹس ہو گئے تھے اور اپنے ولی عہد کو ریاست کے ولی عہد کا مصاحب بنوا دینے کی فکر میں تھے۔

یہی حالت چار پائی کی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ان ملازم صاحب سے کہیں زیادہ کارآمد ہوتی ہے۔ فرض کیجیے آپ بیمار ہیں، سفرِ آخرت کا سامان میسّر ہو یا نہ ہو، اگر چار پائی آپ کے پاس ہے تو دنیا میں آپ کو کسی اور چیز کی حاجت نہیں۔ دوا کی پُڑیا تکیے کے نیچے، جوشاندے کی دیگچی سرہانے رکھی ہوئی، چار پائی کے نیچے میلے کپڑے، بچّوں کے کھلونے، جھاڑو، آش جو، روئی کے پھائے، کاغذ کے ٹکڑے، مچھر، بھنگے، گھر یا محلے کے دو ایک بچّے، جن میں ایک آدھ زکام خسرے میں مبتلا۔ اچھے ہو گئے تو بیوی نے چار پائی کھڑی کر کے غسل کرا دیا، ورنہ آپ کے دشمن اسی چار پائی پر لبِ گور لائے گئے۔

ہندوستانی گھرانوں میں چار پائی کو ڈرائنگ روم، سونے کا کمرہ، غسل خانہ، قلعہ، خانقاہ، دواخانہ، صندوق، کتاب گھر، شفاخانہ، سب کی

حیثیت، کبھی کبھی بہ یک وقت ورنہ وقت وقت پر حاصل رہتی ہے۔ کوئی مہمان آیا، چار پائی نکالی گئی۔ اس پر ایک نئی دری بچھادی گئی، جس کے تہ کے نشان ایسے معلوم ہوں گے جیسے کسی چھوٹی سی اراضی کو مینڈوں اور نالیوں سے بہت سے مالکوں میں بانٹ دیا گیا ہے اور مہمان صاحب مع اچکن، ٹوپی، بیگ، بُغچی کے بیٹھ گئے اور تھوڑی دیر کے لیے یہ معلوم کرنا دشوار ہوگیا کہ مہمان بے وقوف ہے یا میزبان بدنصیب! چار پائی ہی پر ان کا منھ ہاتھ دھلوایا اور کھانا کھلایا جائے گا اور اسی چار پائی پر یہ سو رہیں گے۔ سوجانے کے بعد ان پر سے مچھر مکھی اسی طرح اڑائی جائے گی جیسے کوئی پھیری والا اپنے خوانچے پر سے جھاڑو نما مُور چھل سے مکھیاں اڑا رہا ہو۔

چار پائی پر سوکھنے کے لیے اناج پھیلایا جائے گا، جس پر تمام دن چڑیاں حملے کرتی، دانے چگتی اور گالیاں سنتی رہیں گی۔ کوئی تقریب ہوئی تو بڑے پیمانے پر چار پائی پر آلو چھیلے جائیں گے۔ ملازمت میں پنشن کے قریب ہوتے ہیں تو جو کچھ رخصت جمع ہوئی رہتی ہے، اس کو لے کر ملازمت سے سبک دوش ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح چار پائی پنشن کے قریب پہنچتی ہے تو اس کو کسی کال کوٹھری میں داخل کر دیتے ہیں اور اس پر سال بھر کا پیاز کا ذخیرہ جمع کر دیا جاتا ہے۔ ایک دفعہ دیہات کے ایک میزبان نے پیاز ہٹا کر اس خاکسار کو ایسی ہی ایک پنشن یافتہ چار پائی پر اسی کال کوٹھری میں بچھا دیا تھا اور پیاز کو چار پائی کے نیچے اکٹھا کر دیا گیا تھا۔ اس رات کو مجھ پر آسمان کے اتنے ہی طبق روشن ہو گئے تھے، جتنی ساری پیازوں میں چھلکے تھے اور وہ یقیناً چودہ سے زیادہ تھے۔

چار پائی ایک اچھے بکس کا بھی کام دیتی ہے، تکیے کے نیچے ہر قسم کی گولیاں، جن کے استعمال سے آپ کے سوا کوئی واقف نہیں ہوتا، ایک آدھ روپیا، چند دھیلے پیسے، اسٹیشنری، کتابیں، رسالے، جاڑے کے کپڑے، تھوڑا بہت ناشتا، نقشِ سلیمانی، فہرست دواخانہ، سمن، جعلی دستاویز کے کچھ مسودے، یہ سب چار پائی میں آباد ملیں گے۔ میں ایک ایسے صاحب سے واقف ہوں جو چار پائی پر لیٹے لیٹے ان میں سے ہر ایک کو، اجالا ہو یا اندھیرا، اس صحت کے ساتھ آنکھ بند کر کے نکال لیتے اور پھر رکھ دیتے، جیسے حکیم نابینا صاحب مرحوم اپنے لمبے چوڑے بکس میں سے ہر مرض کی دوائیں نکال لیتے اور پھر رکھ دیتے۔

حکومت بھی چار پائی ہی پر سے ہوتی ہے۔ خاندان کے کرتا دھرتا چار پائی ہی پر براجمان ہوتے ہیں۔ وہیں سے ہر طرح کے احکام جاری ہوتے رہتے ہیں اور گناہ گار کو سزا بھی وہیں سے دی جاتی ہے۔ آلاتِ سزا میں ہاتھ، پاؤں، زبان کے علاوہ ڈنڈا، جوتا، تاملوٹ بھی ہیں جنھیں اکثر پھینک کر مارتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ توقف کرنے میں غصّے کا تاؤ مدھم نہ پڑ جائے اور ان آلات کو مجرم پر استعمال کرنے کے بجائے اپنے اوپر استعمال کرنے کی ضرورت نہ محسوس ہونے لگے۔

چار پائی ہی کھانے کا کمرہ بھی ہوتی ہے۔ باورچی خانے سے کھانا چلا اور اس کے ساتھ پانچ سات چھوٹے بڑے بچّے، اتنی ہی مرغیاں، دو ایک کتّے، بلّی اور بے شمار مکھیاں آ پہنچیں۔ سب اپنے قرینے سے بیٹھ گئیں۔ صاحبِ خانہ صدرِ دستر خوان ہیں۔ ایک بچّہ زیادہ کھانے پر مار کھاتا ہے، دوسرا بدتمیزی سے کھانے پر، تیسرا کم کھانے پر، چوتھا زیادہ کھانے پر اور بقیہ اس پر کہ ان کو مکھیاں کھائے جاتی ہیں۔ دوسری طرف بیوی مکھی اُڑاتی جاتی ہے اور شوہر کی بدزبانی سنتی اور بدتمیزی سہتی جاتی ہے۔ کھانا ختم ہوا۔ شوہر شاعر ہوئے تو ہاتھ دھو کر فکر سخن میں چار پائی ہی پر لیٹ گئے۔ کہیں دفتر میں ملازم ہوئے تو اس طرح جان لے کر بھاگے جیسے گھر میں آگ لگی ہے۔ اور کوئی مذہبی آدمی

ہوئے تو اللہ کی یاد میں قیلولہ کرنے لگے، بیوی بچے بدن دبانے اور بددعائیں سننے لگے۔

چارپائی ہندوستان کی آب و ہوا، تمدّن و معاشرت، ضرورت اور ایجاد کا سب سے بھرپور نمونہ ہے۔ ہندوستان اور ہندوستانیوں کے مانند ڈھیلی ڈھالی، شکستہ حال، بے سروسامان لیکن ہندوستانیوں کی طرح غالب اور حکمران کے لیے ہر قسم کا سامانِ راحت فراہم کرنے کے لیے آمادہ۔ کوچ اور صوفے کے دل دادہ اور ڈرائنگ روم کے اسیر اس راحت و عافیت کا کیا اندازہ لگا سکتے ہیں جو چارپائی پر میسّر آتی ہے! شعرا نے انسان کی خوشی اور خوش حالی کے لیے کچھ باتیں منتخب کر لی ہیں، مثلاً: سچّے دوست، شرافت، فراغت، اور گوشۂ چمن۔ ہندوستان جیسے غریب ملک کے لیے عیش و فراغت کی فہرست اس سے مختصر ہونی چاہیے۔ میرے نزدیک تو صرف ایک چارپائی ان تمام لوازم کو پورا کر سکتی ہے۔

بانوں کی ٹوٹی ہوئی چارپائی ہے جسے مکّا کے کھیت میں بطور مچان باندھ دیا گیا ہے۔ ہر طرف جھومتے لہلہاتے کھیت ہیں۔ بارش نے گرد و پیش کو شگفتہ و شاداب کر دیا ہے، دُور دُور جھیلیں جھمکتی جھلکتی نظر آتی ہیں جن میں طرح طرح کے آبی جانور اپنی اپنی بولیوں سے برسات کی عمل داری اور مزے داری کا اعلان کرتے ہیں۔

مچان پر بیٹھا ہوا کسان کھیت کی رکھوالی کر رہا ہے، اس کے یہاں نہ آسائش ہے نہ آرائش، نہ علم و فضل، نہ دولت و اقتدار لیکن یہ سب چارپائی پر بیٹھے ہوئے اسی کسان کی محنت کا کرشمہ ہیں۔ پھر ایک دن آئے گا جب اس کی پیداوار کو چور، مہاجن یا زمیندار لُوٹ لیں گے اور اسی چارپائی پر اس کو سانپ ڈس لے گا اور قصّہ پاک ہو جائے گا۔

برسات ہی کا موسم ہے۔ گاؤں میں آموں کا باغ کبھی دھوپ کبھی چھاؤں، کوئل کوکتی ہے، ہوا لہکتی ہے۔ گاؤں کے لڑکے لڑکیاں دھوم مچا رہی ہیں۔ کہیں کوئی پکّا ہوا آم ڈال سے ٹوٹ کر گرتا ہے۔ سب کے سب جھپٹتے ہیں۔ جس کو مل گیا، وہ ہیرو بن گیا جس کو نہ ملا اس پر سب نے ٹھٹھے لگائے۔ یہی لڑکے لڑکیاں جو اس وقت کسی طرح قابلِ التفات نظر نہیں آتیں، کسے معلوم آگے چل کر زمانہ اور زندگی کی کن نیرنگیوں کو اجاگر کریں گے، کتنے فاقے کریں گے، کتنے فاتح بنیں گے، کتنے نام ور اور نیک نام، کتنے گم نام و نافرجام اور یہ خاکسار ایک کھُری چارپائی پر اس باغ میں آرام فرما رہا ہے۔ چارپائی باغبان کی ہے، باغ کسی اور کا ہے، لڑکے لڑکیاں گاؤں کی ہیں۔ میرے حصّے کا صرف آم ہے۔ ایسے میں جو کچھ دماغ میں نہ آئے تھوڑا ہے یا جو تھوڑا دماغ میں ہے وہ بھی نکل جائے تو کیسا تعجب!

پھر عالمِ تصور میں ایسی کائنات تعمیر کرنے لگتا ہوں جو صرف میرے لیے ہے جو میرے ہی اشارے پر بنتی بگڑتی ہے، مجھے خالق کا درجہ حاصل ہے، اپنے مخلوق ہونے کا وہم بھی نہیں گزرتا، نہ اس کا خیال کہ زمانہ کسے کہتے ہیں، نہ اس کی پروا کہ زندگی کیا ہے۔ دوسروں کو ان کا اسیر دیکھ کر چونک پڑتا ہوں۔ پھر یہ محسوس کر کے کہ میں ان لوگوں سے اور خود زمانہ اور زندگی سے علیحدہ بھی ہوں۔ کچھ دیر کے لیے اونگھنے لگتا ہوں۔ ممکن ہے اونگھنے میں پہلے سے مبتلا ہوں۔

(مضامینِ رشید)

مشق

۱۔ مختصر جواب دیں:

(الف) سبق میں ریاست کے ملازم اور چارپائی میں کون کون سی مشابہت بتائی گئی ہے؟

(ب) متن کے مطابق چارپائی کے نیچے کیا کچھ جمع ہوتا ہے؟

(ج) ''ورنہ آپ کے دشمن اسی چارپائی پر لبِ گور لائے گئے۔'' اس جملے کی وضاحت کریں۔

(د) ''جھاڑ و نما مور چھل'' سے کیا مراد ہے؟

(ہ) چارپائی پر سے حکومت کیسے ہوتی ہے؟

۲۔ متن کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مناسب لفظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں:

(الف) چارپائی پر سوکھنے کے لیے۔۔۔۔ پھیلایا جائے گا۔

(ب) چارپائی پنشن کے قریب پہنچتی ہے تو اس کو کسی کال۔۔۔۔ میں داخل کر دیتے ہیں۔

(ج) چارپائی ایک اچھے ۔۔۔۔ کا بھی کام دیتی ہے۔

(د) صاحبِ خانہ صدر۔۔۔۔ ہیں۔

(ہ) اور کوئی مذہبی آدمی ہوئے تو اللہ کی یاد میں۔۔۔۔ کرنے لگے۔

انشائیہ: انشائیہ نثری ادب کی وہ صنف ہے جو مضمون سے الگ انداز رکھتی ہے۔ انشائیہ میں انشائیہ نگار آزادانہ طور پر اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے جس میں اس کی شخصیت کا پہلو نظر آتا ہے۔ کسی خاص نتیجہ کے بغیر بات کو ختم کرتا ہے۔ انشائیہ میں دل چسپ بیان، غیر رسمی انداز، خوش گوار حیرت اور نظریے کے تیکھے پن کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ رشید احمد صدیقی کا زیرِ نظر سبق ''چارپائی'' ایک بہترین انشائیہ ہے۔

۳۔ انٹرنیٹ کے ذریعے سے ڈاکٹر وزیر آغا کا تحریر کردہ کوئی انشائیہ تلاش کر کے اپنے دوستوں کو سنائیں۔

خاکہ: خاکہ کے لغوی معنی ابتدائی نقشہ یا ڈھانچا کے ہیں۔ خاکے سے مراد کسی شخص کی لفظی تصویر کشی ہے۔ خاکے کو شخصی مرقّع یا شخصیت نگاری بھی کہتے ہیں۔ خاکہ نگار کو خاکے کا موضوع بننے والی شخصیت کے مزاج سے مکمل آگاہی ہونی چاہیے۔ بنیادی طور پر خاکہ اختصار، جامعیت اور دل آویز زبان و بیان کا حامل ہوتا ہے۔

۴۔ اپنے پسندیدہ استادِ محترم کا تعارفی خاکہ تحریر کریں اور اپنے دوستوں کو سنائیں۔

رسیدات: رسید کے معنی وصول کرنا، پہنچنا، رسائی وغیرہ کے ہیں۔ اصطلاحی معنوں میں رسید وہ تحریر ہے جس میں کسی شے کے پہنچنے یا وصول ہونے کا مضمون ہو۔ قانونی لحاظ سے رقم یا سامان وصول کرنے کی باقاعدہ تحریر جس میں وصول کرنے والے اور گواہوں کے دستخط موجود ہوں۔

۵۔ فرض کریں کہ آپ نے کسی سے ساٹھ ہزار روپے قرض لیا ہے۔ اس حوالے سے ایک رسید لکھیں۔

۶۔ مرکّب لفظ کا نصف اوّل کالم ''الف'' میں جب کہ اس کا نصف دوم کالم ''ب'' میں موجود ہے، انھیں جوڑیے اور کالم ''ج'' میں پورا مرکّب لفظ لکھیے۔ جیسے: اوڑھنا بچھونا

کالم: الف	کالم: ب	کالم: ج
غلّ	دوش	
نا	کوشی	
سبک	خوان	
دستر	غپاڑا	
عیش	موزوں	

۷۔ درج ذیل ضرب الامثال کا مفہوم واضح کریں:

- آم کے آم گٹھلی کے دام
- آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل
- بوڑھی گھوڑی لال لگام
- تخم تاثیر صحبت اثر
- چور کی ڈاڑھی میں تنکا
- تلے تیس اُوپر بیس

۸۔ سبق ''چار پائی'' کا خلاصہ تحریر کیجیے۔

۹۔ سیاق و سباق کے حوالے سے درج ذیل اقتباس کی تشریح کریں اور حوالۂ متن بھی درج کریں:

- ''چار پائی ہندوستان کی آب و ہوا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ان تمام لوازم کو پورا کر سکتی ہے۔''

سرگرمی برائے طلبہ:

- اپنے کسی پسندیدہ انشا پرداز کا تعارف تحریر کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام:

- طلبہ کو صنفِ انشائیہ کی مختصر تاریخ سے آگاہ کریں
- صنفِ انشائیہ کی نمایاں خصوصیات طلبہ کو بتائیں۔
- اُردو کے چند انشائیہ نگاروں کے نام بتائیں۔

خدیجہ مستور

(۱۹۲۷ء-۱۹۸۲ء)

خدیجہ مستور بریلی کے یوسف زئی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ بریلی کے نزدیک ایک گاؤں کے متوسط پٹھان گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ والد کا نام تہوّر علی خاں تھا اور وہ ملازمت پیشہ تھے لہٰذا مختلف مقامات پر ابتدائی زندگی گزاری۔ ان کی والدہ کا نام انور جہاں تھا جو ایک اچھی شاعرہ اور مضمون نگار تھیں۔ اس طرح انھیں ابتدا ہی سے علمی و ادبی ماحول میسّر آیا لیکن نو برس کی تھیں کہ والد وفات پا گئے اور خاندان والوں نے کفالت سے ہاتھ کھینچ لیا لہٰذا معاشی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور لکھنؤ میں اپنے نانا کے ہاں قیام کرنا پڑا۔ گھر پر تعلیمی سلسلہ جاری رکھا اور اپنی محنت اور ذوق سے وسیع مطالعہ اور معاشرتی و معاشی حقائق کا ادراک حاصل کیا۔

خدیجہ مستور کی چھوٹی بہن ہاجرہ مسرور (۱۹۳۰ - ۲۰۱۲ء) بھی معروف ناول نگار اور افسانہ نگار گزری ہیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد دونوں بہنیں اپنے گھرانے کے ساتھ پہلے کراچی اور پھر لاہور آ گئیں۔

خدیجہ مستور کو ابتدا ہی سے افسانوی ادب سے فطری لگاؤ تھا۔ ۱۹۴۲ء میں لکھنا شروع کیا اور افسانوں کا پہلا مجموعہ ''کھیل'' ۱۹۴۴ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد ''بوچھار'' (۱۹۴۶ء)، ''چند روز اور'' (۱۹۵۱ء)، ''تھکے ہارے'' (۱۹۶۲ء) اور ناول ''آنگن'' (۱۹۶۲ء) بھی شائع ہوئے۔ ''آنگن'' پر ان کو آدم جی ادبی انعام ملا۔ ان کی آخری تصنیف ''زمین'' ان کی وفات کے بعد ۱۹۸۷ء میں شائع ہوئی۔

خدیجہ مستور اُردو خواتین ناول نگاروں میں اس لحاظ سے اہم ہیں کہ انھوں نے اپنے ناول ''آنگن'' میں سماجی حقیقت نگاری سے کام لیتے ہوئے ایک پورے عہد اور دَور کی کش مکش کو پیش کیا ہے۔ اس لحاظ سے اس ناول کو قیامِ پاکستان کے پس منظر میں لکھے جانے والے ناولوں میں امتیاز حاصل ہے۔ ناول ''آنگن'' کی کہانی اگرچہ ایک خاندان کی کہانی ہے لیکن اس کہانی کے آئینے میں اُنھوں نے گھریلو زندگی کے تصادم اور کش مکش کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کے سیاسی نظریات کے ٹکراؤ، سماجی رجحانات اور معاشی تحریکوں کو بھی پیش کیا ہے۔ ان کا ایک خاص کارنامہ اپنے نسوانی کرداروں کی حقیقی تصویر کشی اور ان کی نفسیات کا سچّا اظہار ہے۔

''آنگن'' کی زبان نہایت شستہ، رواں اور روزمرہ کی زبان ہے۔ خدیجہ مستور کا اسلوب جدید دور کے سادہ، بے تکلف اور عام فہم انداز کا آئینہ دار ہے جو ناول کے موضوع، کرداروں اور ان کے تمام احساسات و معاملات کے اظہار پر قادر ہے۔ ''آنگن'' درحقیقت قیامِ پاکستان کے وقت کے ایک متوسط مسلمان گھرانے کی تصویر کشی پر مبنی ہے۔

حصہ نظم

علامہ محمد اقبالؒ

(۱۸۷۷ء-۱۹۳۸ء)

علامہ محمد اقبالؒ سیال کوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ گرامی شیخ نور محمد بڑے پرہیزگار اور عبادت گزار انسان تھے۔ اُن کی والدہ امام بی بی بھی بڑی خلیق، نیک سیرت اور زاہدہ و عابدہ خاتون تھیں۔ ان کا زیادہ وقت محلے کی بچیوں کو تعلیم دینے اور عبادت و ریاضت میں گزرتا تھا۔ نیکوکار والدین سے تربیت پانے کے ساتھ ساتھ اقبالؒ نے ابتدائی تعلیم سید میر حسن کی درس گاہ سے حاصل کی۔ علامہ اقبالؒ اپنے مقام و مرتبہ کو ہمیشہ انھی کا فیض سمجھتے تھے۔ سیال کوٹ سے انٹرمیڈیٹ کے بعد بی اے اور ایم اے کے امتحانات گورنمنٹ کالج، لاہور سے پاس کیے۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں انھیں فلسفے کے استاد پروفیسر تھامس آرنلڈ مل گئے جو آپ کی صلاحیتوں سے بہت متاثر ہوئے۔ انھوں نے فلسفے کے ساتھ اقبالؒ کے فطری لگاؤ کو دیکھ کر ان کے خیالات کو اور بھی جلا بخشی۔ پروفیسر تھامس آرنلڈ اپنے احباب میں اقبالؒ کی تعریف کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ایسا شاگرد استاد کو محقق اور محقق کو محقق تر بنا دیتا ہے۔ بعد ازاں اقبالؒ ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک یورپ میں مقیم رہے۔ انھوں نے جرمنی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی جب کہ لندن سے قانون کی سب سے بڑی ڈگری بار ایٹ لا حاصل کی۔

علامہ اقبالؒ برِ عظیم کے مسلمانوں بلکہ امتِ مسلمہ کے اس لحاظ سے بہت بڑے محسن ہیں کہ انھوں نے اپنے کلام کے ذریعے سے مسلمانوں کے دلوں میں حرارت اور خیالات میں انقلاب پیدا کیا۔ وہ حرکت و عمل کے شاعر ہیں۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے پیرویِ قرآن اور اطاعتِ رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کا درس دیا اور خودی، مردِ مومن اور شاہین جیسی اصطلاحات اور علامات کے ذریعے سے مسلمانوں میں نئی روح پھونکنے کی کام یاب کوشش کی۔ اسی بنا پر انھیں ''حکیم الامت'' اور ''شاعرِ مشرق'' جیسے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔

علامہ اقبالؒ کی کتابوں میں ''بانگِ درا''، ''بالِ جبریل''، ''ضربِ کلیم'' اور ''ارمغانِ حجاز'' (نصف حصّہ) اُردو شاعری کی کتابیں ہیں جب کہ ''اسرار و رموز''، ''پیامِ مشرق''، ''زبورِ عجم''، ''جاوید نامہ'' اور ''ارمغانِ حجاز'' (نصف حصّہ) فارسی شعری مجموعے ہیں۔ اس نصابی کتاب میں ان کی نظم: ''اے وادیِ لولاب!'' شامل ہے جو ''ارمغانِ حجاز'' سے لی گئی ہے۔

سبق: ۱۳

اے وادیِ لولاب! (۱)

تدریسی مقاصد:

- طلبہ کو وادیِ لولاب کی سیاحتی، تاریخی اور ثقافتی اہمیت سے آگاہ کرنا۔
- طلبہ کو علاّمہ اقبالؒ کی اس نظم کے معانی، مفاہیم اور مطالب سے روشناس کرنا۔
- ڈاکٹر علاّمہ محمد اقبالؒ کے فلسفیانہ خیالات، امتِ مسلّمہ کے احیا کے لیے کوششوں پر روشنی ڈالنا۔
- طلبہ کو باور کرانا کہ فکرِ اقبال کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔
- طلبہ میں شعری محاسن کی پہچان پیدا کرنا۔

پانی ترے چشموں کا تڑپتا ہوا سیماب
مرغانِ سَحَر تیری فضاؤں میں ہیں بے تاب
اے وادیِ لولاب!

گر صاحبِ ہنگامہ نہ ہو منبر و محراب
دِیں بندۂ مومن کے لیے موت ہے یا خواب
اے وادیِ لولاب!

ہیں ساز پہ موقوف نوا ہائے جگر سوز
ڈھیلے ہوں اگر تار تو بے کار ہے مِضراب
اے وادیِ لولاب!

مُلّا کی نظر نُورِ فراست سے ہے خالی
بے سوز ہے مے خانۂ صوفی کی مئے ناب
اے وادیِ لولاب!

بیدار ہُوں دل جس کی فُغانِ سحری سے
اس قوم میں مدّت سے وہ درویش ہے نایاب
اے وادیِ لولاب!

(ارمغانِ حجاز)

(۱) کشمیر کی انتہائی خوب صورت وادی ہے جو خطۂ کشمیر کے شمال مغرب میں سری نگر سے ۱۱۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ضلع کپواڑہ میں واقع ہے۔

مشق

۱۔ مختصر جواب دیں:

(الف) وادیِ لولاب کے دل کش حسن کو کس طرح بیان کیا گیا ہے؟

(ب) علامہ اقبالؒ نے صاحبانِ منبر و محراب کے بارے میں کن خیالات کا اظہار کیا ہے؟

(ج) دوسرے شعر کا مفہوم لکھیں۔

(د) نوائے جگر سوز کا دار و مدار کس بات پر ہے؟

(ہ) قوم میں کس طرح کے درویش نایاب ہیں؟

۲۔ درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) وادیِ لولاب سے مراد ہے:

(الف) مملکۂ کوہسار مری (ب) وادیِ نیلم (ج) وادیِ کشمیر (د) وادیِ زیارت

(ii) وادیِ لولاب کے چشموں کا پانی ہے:

(الف) زر یاب (ب) سیماب (ج) کم یاب (د) نایاب

(iii) نوائے جگر سوز موقوف ہیں:

(الف) ساز پر (ب) ناز پر (ج) راز پر (د) دراز پر

(iv) تار ڈھیلے ہوں تو بے کار ہے:

(الف) ساز (ب) مضراب (ج) گٹار (د) بگل

(v) بے سوز ہے:

(الف) مے خانہ (ب) جم خانہ (ج) مردِ رندانہ (د) فرزانہ

(vi) قوم میں مدت سے فُغانِ سحری والے نایاب ہیں:

(الف) فقیر (ب) درویش (ج) پیر (د) شاعر

۳۔ نظم ''اے وادیِ لولاب!'' کے چوتھے بند کی روشنی میں درج ذیل شعر پر باہمی گفت گو کریں اور مشترک رائے قلم بند کریں:

کیا صوفی و ملّا کو خبر میرے جنوں کی
ان کا سرِ دامن بھی ابھی چاک نہیں ہے

۴۔ اقبالؒ کے کلام میں مئے لالہ فام، مئے ناب اور بادۂ ناب وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً:

مرے کدو کو غنیمت سمجھ کہ بادۂ ناب
نہ مدرسے میں ہے باقی نہ خانقاہ میں ہے

علامہ اقبالؒ کے اشعار کی روشنی میں ان تراکیب کی وضاحت کریں:

مرغانِ سحر، صاحبِ ہنگامہ، بندۂ مومن، نورِ فراست، فُغانِ سحری

۵۔ نظم اے وادیِ لولاب! کا اصل عنوان ''ملّا زادہ ضیغم لولابی کشمیری کا بیاض'' ہے۔ اقبالؒ نے اس جرأت مند فرضی کردار کے ذریعے سے کشمیریوں کو بیدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ کلامِ اقبالؒ سے کشمیر کے حوالے سے مزید اشعار تلاش کر کے ''اقبالؒ اور کشمیر'' کے عنوان پر ایک تقریر تیار کریں۔

۶۔ مختلف حوالوں سے اور شعری محاسن کی روشنی میں تشریح کریں:

مُلّا کی نظر نُورِ فراست سے ہے خالی
بے سوز ہے مے خانۂ صوفی کی مئے ناب
اے وادیِ لولاب!

بیدار ہُوں دل جس کی فُغانِ سحری سے
اس قوم میں مدّت سے وہ درویش ہے نایاب
اے وادیِ لولاب!

۷۔ نظم ''اے وادیِ لولاب!'' کا خلاصہ تحریر کریں۔

۸۔ نیچے دیے گئے الفاظ و تراکیب کے معانی لکھیں اور انھیں جملوں میں استعمال کریں۔

وادیِ لولاب	سیماب
منبر و محراب	موقوف
نورِ فراست	بے سوز

۹۔ علّامہ اقبالؒ کے اشعار کی روشنی میں ان کی شخصیت کا مرقع پیش کریں۔

۱۰۔ ''اے وادیِ لولاب!'' کے اشعار کی روشنی میں مسلمانوں خصوصاً کشمیر اور غزہ کے مسلمانوں کو درپیش مسائل پر تبادلۂ خیال کریں اور ان کے حل کے لیے تجاویز پیش کریں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ:

- علّامہ اقبالؒ کے اشعار کی روشنی میں آزادیِ کشمیر کے موضوع پر کسی ڈرامے کا اہتمام کریں۔
- یومِ کشمیر کے موقع پر کشمیر کے حوالے سے کلامِ اقبالؒ سنانے کے مقابلے میں حصّہ لیں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام:

- طلبہ کو نظم ''اے وادیِ لولاب!'' کا مکمل تعارف کرائیں۔
- کشمیر سے علّامہ اقبالؒ کی محبت اور اس کی تعمیر و ترقی کے لیے کوششوں سے آگاہ کریں۔
- علّامہ اقبالؒ کی ایک معروف نظم ''بڈھے بلوچ کی نصیحت بیٹے کو'' کے کرداروں کا تعارف کرائیں۔

اختر شیرانی

(۱۹۰۵ء۔۱۹۴۸ء)

شاعرِ رومان؛ اختر شیرانی کا اصل نام محمد داؤد خان اور تخلص اختر ہے۔ آپ نامور محقق حافظ محمود شیرانی کے بیٹے تھے۔ ٹونک (راجپوتانہ) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ٹونک ہی میں حاصل کی۔ پھر مزید تعلیم کے لیے اپنے والدِ گرامی کے پاس لاہور چلے آئے، جہاں ۱۹۲۱ء میں اورینٹل کالج سے منشی فاضل اور ادیب فاضل کا امتحان پاس کیا۔ مزید تعلیمی سلسلہ جاری نہ رکھ سکے، البتہ انگریزی زبان و ادب کا مطالعہ نجی اور ذاتی حیثیت سے جاری رکھا اور مضمون نگاری و شعر و شاعری کا آغاز کر دیا۔ ان کا کلام مختلف رسائل و جرائد میں شایع ہوتا رہا۔

بعض رسائل میں بطور مدیر بھی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۲۸ء میں ماہ نامہ ''بہارستان'' نکالا جو چل نہ سکا۔ ۱۹۳۰ء میں ''خیالستان'' جاری کیا۔ وہ بھی زیادہ عرصہ نہ چلا۔ ۱۹۳۵ء میں ماہ نامہ ''رومان'' کا بھی یہی نتیجہ برآمد ہوا۔ اسی اثنا میں اختر شیرانی کی شاعری کی دھوم مچ گئی اور ان کا شمار ملک کے چوٹی کے شعرا میں ہونے لگا۔ ۱۹۴۰ء میں حافظ محمود شیرانی اورینٹل کالج کی ملازمت سے سبکدوش ہو کر اپنے وطن ٹونک چلے آئے۔ چناں چہ اختر شیرانی کو بھی ٹونک جانا پڑا۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران میں وہ پھر لاہور لوٹ آئے۔

مولانا تاجور نجیب آبادی نے اپنے رسالے ''شاہکار'' کی ادارت ان کے سپرد کر دی لیکن اختر شیرانی تھوڑے ہی عرصہ بعد ''شاہکار'' سے الگ ہو گئے۔ اس عرصے میں انھوں نے اپنے شعری مجموعے ''نغمۂ حرم''، ''شعرستان''، ''لالۂ طور''، ''صبحِ بہار''، ''اخترستان'' اور ''طیورِ آوارہ'' کے نام سے شایع کیے۔ انھوں نے چند ڈرامے بھی لکھے، جن میں ''ضحاک'' زیادہ مشہور ہے۔

اختر شیرانی کی بہت سی نظمیں مظاہرِ فطرت، رومان اور مناظرِ قدرت کی عکاسی کرتی ہیں۔ ان کے شعور کا سماجی اور سیاسی پس منظر دوسرے بہت سے شعرا سے مختلف ہے۔ اس لیے ان کے محرکاتِ شاعری اور تخیل کے اجزائے ترکیبی دوسروں سے جدا ہیں۔ انھوں نے اپنے تخیل سے حسن و شباب، سرخوشی و خود فراموشی اور امن و سکون کی ایک نئی دنیا تخلیق کی ہے۔ ان کے گیتوں میں رَس ہے، ان کی نظموں میں مخصوص نغماتی فضا پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اس میں ڈوب کر محبت کے گیت گانے لگتے ہیں۔ شاملِ نصاب نظم ''او دیس سے آنے والے بتا!'' اسی نوعیّت کی حامل نظم ہے۔

سبق: ۱۴

او دیس سے آنے والے بتا!

تدریسی مقاصد:

- طلبہ کو اختر شیرانی کی شخصیت اور فن سے متعارف کرانا۔
- طلبہ میں جذبۂ حب الوطنی پیدا کرنا۔
- طلبہ کی تخلیقی اور تنقیدی صلاحیتوں کو جلا بخشنا۔
- اُردو ادب میں رومانوی تحریک کے آغاز اور ارتقا کے بارے میں بتانا۔

او دیس سے آنے والے بتا!

او دیس سے آنے والے بتا کس حال میں ہیں یارانِ وطن
آوارۂ غربت کو بھی سنا کس رنگ میں ہے کنعانِ وطن
وہ باغِ وطن فردوسِ وطن ، وہ سروِ وطن ریحانِ وطن
او دیس سے آنے والے بتا!

کیا اب بھی وہاں کے باغوں میں مستانہ ہوائیں آتی ہیں
کیا اب بھی وہاں کے پربت پر گھنگھور گھٹائیں چھاتی ہیں
کیا اب بھی وہاں کی برکھائیں ویسے ہی دلوں کو بھاتی ہیں
او دیس سے آنے والے بتا!

کیا اب بھی وطن میں ویسے ہی سرمست نظارے ہوتے ہیں
کیا اب بھی سہانی راتوں کو وہ چاند ستارے ہوتے ہیں
ہم کھیل جو کھیلا کرتے تھے کیا اب بھی وہ سارے ہوتے ہیں
او دیس سے آنے والے بتا!

کیا شام کو اب بھی جاتے ہیں احباب، کنارِ دریا پر
وہ پیڑ گھنیرے اب بھی ہیں شاداب ، کنارِ دریا پر
اور پیار سے آکر جھانکتا ہے مہتاب، کنارِ دریا پر
او دیس سے آنے والے بتا!

کیا اب بھی کسی کے سینے میں باقی ہے ہماری چاہ ، بتا
کیا یاد ہمیں بھی کرتا ہے اب یاروں میں کوئی آہ ، بتا
او دیس سے آنے والے بتا ، للہ بتا ، للہ بتا
او دیس سے آنے والے بتا!

(کلیاتِ اختر شیرانی)

مشق

۱۔ مختصر جواب دیں:

(الف) شاعر اس نظم میں کس سے مخاطب ہے؟

(ب) شاعر کو کس کی یاد ستا رہی ہے؟

(ج) شاعر نے خود کو آوارۂ غربت کیوں کہا؟

(د) وطن کی ہوائیں اور گھٹائیں کیسی ہیں؟

(ہ) سرمست نظاروں سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

۲۔ درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) نظم ''او دیس سے آنے والے بتا!'' کے شاعر ہیں:

(الف) احمد ندیم قاسمی (ب) اختر شیرانی (ج) ابنِ انشا (د) جمیل الدین عالی

(ii) شاعر کو کہاں کی یاد ستا رہی ہے؟

(الف) باغ کی (ب) سمندر کی (ج) وطن کی (د) صحرا کی

(iii) ''کنعانِ وطن'' اُردو قواعد کی رو سے ہے:

(الف) تشبیہ (ب) استعارہ (ج) تلمیح (د) کنایہ

(iv) ''یارانِ وطن'' اُردو قواعد کی رو سے ہے:

(الف) مرکّبِ عطفی (ب) مرکّبِ اضافی (ج) مرکّبِ توصیفی (د) مرکّبِ عددی

(v) وطن کے باغوں میں ہوائیں چلتی ہیں:

(الف) خُنک (ب) مستانہ وار (ج) مخمور (د) تیز تیز

(vi) دریا میں پیار سے جھانکتا ہے:

(الف) حباب (ب) شباب (ج) مہتاب (د) آفتاب

(vii) وطن کے پیڑ ہیں:

(الف) گھنیرے (ب) پھل دار (ج) سرسبز (د) سایہ دار

۳۔ نظم ''او دیس سے آنے والے بتا!'' کا خلاصہ تحریر کریں۔

۴۔ نظم ''او دیس سے آنے والے بتا'' کے پہلے بند میں استعمال ہونے والی تلمیح کی روشنی میں بند کی تشریح کریں اور مرزا غالبؔ و مولانا حالیؔ کے درج ذیل اشعار کو بھی شامل کریں۔

نسیمِ مصر کو کیا پیرِ کنعاں کی ہوا خواہی
اسے یوسفؑ کی بُوئے پیرہن کی آزمائش ہے

❁

آ رہی ہے چاہِ یوسفؑ سے صدا
دوست یاں تھوڑے ہیں اور بھائی بہت

۵۔ اپنے ہم وطن کو دیکھ کر شاعر کے دل میں کیا کیا جذبے بیدار ہوتے ہیں اور وہ کیا جاننا چاہتا ہے؟ نظم ''او دیس سے آنے والے بتا!'' کی روشنی میں بیان کریں۔

۶۔ کیا نظم ''او دیس سے آنے والے بتا!'' کے آخری بند میں شاعر کی خواہشوں کا رخ تبدیل ہوا ہے؟ وضاحت کریں۔

مرکّبِ ناقص، مرکّبِ اضافی، مرکّبِ توصیفی اور مرکّبِ عطفی:

مرکّبِ ناقص: دو الفاظ سے مل کر بننے والا ایسا مرکّب جو بامعنی تو ہو لیکن اس سے پورا مطلب واضح نہ ہو۔ مثلاً: تیز گھوڑا، نیک آدمی، رات اور دن وغیرہ۔

مرکّبِ اضافی: جب دو لفظ حرفِ اضافت، زیرِ اضافت یا ہمزۂ اضافت سے مل کر مرکّب بنائیں تو اسے مرکّبِ اضافی کہتے ہیں۔ مثلاً: شامِ غریباں، دوستوں کی محفل، نورِ حق، حلقۂ زنجیر وغیرہ۔

مرکّبِ توصیفی: صفت اور موصوف سے مل کر بننے والے مرکّبِ ناقص کو مرکّبِ توصیفی کہتے ہیں۔ مثلاً: روشن چاند، خوب صورت پھل، سفید پتھر وغیرہ۔

مرکّبِ عطفی: حرفِ عطف ''اور''، ''و'' سے مل کر بننے والے مرکّبِ ناقص کو مرکّبِ عطفی کہتے ہیں۔ مثلاً: صبح و شام، حق و باطل، چاند اور سورج وغیرہ۔

نظم ''او دیس سے آنے والے بتا'' میں استعمال ہونے والے ان چاروں مرکّبات کی فہرست بنائیں، ان کے معانی لکھیں اور جملوں میں استعمال کریں۔

۷۔ درج ذیل الفاظ کے مترادفات تلاش کریں:

وطن	غربت	فردوس
سہانی	احباب	مہتاب

۸۔ طلبہ زیرِ مطالعہ نظم ''اودیس سے آنے والے بتا'' کے بارے میں اپنے اپنے خیالات کا اظہار کریں اور تاثراتی تبصرہ کریں۔ اس میں حسرت موہانی کا درج ذیل شعر بھی شامل کریں:

غربت کی صبح میں بھی نہیں ہے وہ روشنی
جو روشنی کہ شامِ سوادِ وطن میں تھی

سرگرمیاں برائے طلبہ:

- حبِ وطن کے موضوع پر تقاریر میں حصّہ لیں اور مناسب اشعار استعمال کریں۔
- شعری ذوق رکھنے والے طلبہ کوئی ملّی نغمہ لکھنے کی کوشش کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام:

- اختر شیرانی کی رومانوی شاعری کے بارے میں معلومات دیں۔
- جذبۂ حب الوطنی کی ضرورت و اہمیت واضح کریں۔

برائے اضافی مطالعہ

ساون کی گھٹا

مسکراتی ہوئی آتی ہے گھٹا ساون کی
جی لبھاتی ہوئی آتی ہے گھٹا ساون کی
گیت کوئل کے پپیہوں کی صدا مور کا شور
گنگناتی ہوئی آتی ہے گھٹا ساون کی
کیوں نہ ہم جولیاں گلزار میں جھولا جھولیں
لہلہاتی ہوئی آتی ہے گھٹا ساون کی
کوہساروں کا، خیابانوں کا، گلزاروں کا
منھ دُھلاتی ہوئی آتی ہے گھٹا ساون کی
موجِ نکہت سے خدائی مہک اٹھی اخترؔ
پھول اڑاتی ہوئی آتی ہے گھٹا ساون کی

(اخترؔ شیرانی)

احسان دانش
(۱۹۱۴ء۔۱۹۸۲ء)

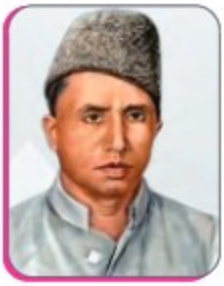

نام احسان الحق اور تخلص بھی احسان ہی تھا۔ کبھی وہ اپنے والد قاضی دانش علی کی نسبت سے اپنا پورا نام احسان بن دانش لکھتے تھے۔ پھر ''احسانِ دانش'' لکھنے لگے جو بعد میں اضافت کی زیر کو حذف کر کے احسان دانش کی صورت اختیار کر گیا اور کبھی کبھی اپنا تخلص دانش بھی کرنے لگے۔

ان کا آبائی وطن باغ پت ضلع میرٹھ ہے لیکن احسان دانش کی ولادت، پرورش اور ابتدائی تعلیم اپنی والدہ کے قصبے کاندھلہ ضلع مظفر آباد (ہندوستان) میں ہوئی۔ مالی حالت اچھی نہ تھی اس لیے باقاعدہ تعلیم نہ پا سکے اور وقتاً فوقتاً معمولی نوعیت کے کام کرنے لگے جن میں مزدوری کے علاوہ باغبانی اور قلی تک کے کام بھی شامل تھے۔ احسان دانش نے کسی زمانے میں انارکلی بازار لاہور کی بغلی سڑک ایبک روڈ پر ''مکتبۂ دانش'' بھی قائم کیا تھا، جہاں وہ مخطوطات کا کاروبار کرتے تھے۔

احسان کو شاعری سے لگاؤ چھوٹی عمر ہی سے ہو گیا تھا اور وہ قیامِ پاکستان سے بہت پہلے لاہور آ گئے تھے۔ یہاں کے ادبی ماحول نے انھیں بہت جلد محفلوں میں نمایاں کر دیا۔ احسان دانش اُردو کے نام ور شاعر اور فاضل ادیب علّامہ تاجور نجیب آبادی کے تلامذہ میں شامل تھے۔ وہ مشاعروں میں اپنا کلام دل کش ترنم سے پڑھتے تھے۔ وہ بہت سادہ، فقیر منش، خوش اخلاق اور ملنسار شخص تھے۔

احسان دانش کے کلام میں نظم، غزل، قطعہ، رباعی، گیت وغیرہ سب کچھ ملتا ہے لیکن ان کی اصل شہرت بیانیہ نظموں کی وجہ سے ہے۔ وہ خود مزدور تھے اور مزدوروں کے لیے انھوں نے بہت کچھ لکھا، اس لیے انھیں ''شاعرِ مزدور'' بھی کہا جاتا ہے۔ ان کی شاعری کے کئی ایک مجموعے چھپ چکے ہیں جن میں ''آتشِ سیّال''، ''نوائے کارگر''، ''نفیرِ فطرت''، ''جادۂ نو''، ''فصلِ سلاسل'' اور ''چراغاں'' خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ''دارَین'' کے نام سے ان کا نعتیہ کلام بھی منظرِ عام پر آ چکا ہے۔

احسان دانش نے جو نظمیں محنت مزدوری کے موضوع پر لکھی ہیں، ان میں واقعیت نگاری کا رنگ موجود ہے۔ وہ بلاشبہ اُردو کے ایک عظیم نظم نگار تھے۔ ان کی غزل میں تغزل کے جملہ اوصاف: دل کشی، دل سوزی، دل ربائی اور دل آویزی موجود ہیں۔

شاعری کے علاوہ وہ ایک نثر نگار بھی تھے۔ انھوں نے نثر میں بھی بعض ضروری موضوعات مثلاً ضرب الامثال، تذکیر و تانیث اور مترادفات پر کام کیا جو چھپ چکا ہے۔ احسان دانش نے ''جہانِ دانش'' کے نام سے اپنی آپ بیتی بھی لکھی جو بہت مقبول ہے۔

سبق: ۱۵

آزادی

تدریسی مقاصد:

- طلبہ کو احسان دانش کی شخصیت اور فن سے آشنا کرنا۔
- طلبہ کو احسان دانش کی نظم نگاری کی نمایاں خصوصیات کے بارے میں بتانا۔
- طلبہ کو قومی اور ملّی شاعروں کا تعارف کرانا اور اس کے پس منظر سے روشناس کرنا۔
- طلبہ کو آزادی کی نعمت کے بارے میں آگاہ کرنا اور یہ بات باور کرانا کہ جہاں آزادی کے حصول کے لیے محنت اور ایثار ضروری ہے، وہاں آزادی کی حفاظت کے لیے بھی بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔

عبادت ہے سراپا جذبۂ تعمیرِ آزادی
شہادت مستقل اک سُرخیِ تحریرِ آزادی
جہاں آزاد کر سکتے نہ ہوں تقریرِ آزادی
وہ آزادی مری نظروں میں ہے تحقیرِ آزادی
فضائیں کر رہی ہیں ذوقِ ایثار و عمل پیدا
لہو میں دوڑتا ہے شعلۂ تاثیرِ آزادی
لہو موسم نے رویا، گردشِ گردوں نے رُخ بدلا
مرے خوابوں میں نازل ہو گئی تعبیرِ آزادی
جو کہنا تھا اُسے سب کہ گیا قرآں کے پردے میں
زمانہ حشر تک کرتا رہے تفسیرِ آزادی
لہو برسا، بہے آنسو ، لُٹے رہرو، کٹے رشتے
ابھی تک نامکمل ہے مگر تعمیرِ آزادی
مجھے دنیا کے ہر گوشے میں قندیلیں جلانے دو
مرا مذہب ہے اِک پیغامِ عالمگیرِ آزادی
زمانے کو اب آزادی کے معنی ہم بتائیں گے
غلط ہوتی رہی ہے آج تک تفسیرِ آزادی
تڑپ کر بزم میں دانشؔ چلے آتے ہیں پروانے
اندھیروں سے مگر چھوٹی نہیں تنویرِ آزادی

(فصلِ سلاسل)

مشق

۱۔ مختصر جواب دیں:

(الف) شاعر نے کس آزای کو تحقیرِ آزادی کہا ہے؟

(ب) شاعر نے کس چیز کو عبادت قرار دیا ہے؟

(ج) قرآن کے پردے میں کیا پیغام دیا گیا ہے؟

(د) کون سی قربانیاں دینے کے باوجود ابھی تک تعمیرِ آزادی نامکمل ہے؟

(ہ) شاعر کے خیال میں اس کا مذہب کس چیز کا پیغام دیتا ہے؟

۲۔ درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) عبادت ہے سراپا:

(الف) بندگی (ب) عشق (ج) اطاعت (د) جذبۂ تعمیرِ آزادی

(ii) تحریرِ آزادی کی مستقل سُرخی ہے:

(الف) محبت (ب) شہادت (ج) عقیدت (د) الفت

(iii) اس نظم میں ''آزادی'' ہے:

(الف) قافیہ (ب) ردیف (ج) قافیہ اور ردیف دونوں (د) تشبیہ

(iv) یہ نظم ہیئت میں لکھی گئی ہے:

(الف) مثنوی (ب) رباعی (ج) مسدّس (د) غزل

(v) ''تفسیرِ آزادی'' قواعد کی رُو سے ہے:

(الف) مرکّبِ اضافی (ب) مرکّبِ توصیفی (ج) مرکّبِ عطفی (د) مرکّبِ تام

(vi) شاعر جلانا چاہتا ہے:

(الف) چراغ (ب) شمعیں (ج) قندیلیں (د) موم بتیاں

۳۔ نظم ''آزادی'' کا خلاصہ تحریر کریں۔

۴۔ لغت کی مدد سے درج ذیل الفاظ پر دُرست اِعراب لگائیں، مطلب لکھیں اور جملوں میں استعمال کریں:

سراپا مستقل ذوق شعلہ قندیل تنویر

۵۔ نظم میں استعمال ہونے والے مرکبِ اضافی اور مرکبِ عطفی کی فہرست بنائیں اور معانی لکھیں۔

۶۔ محاسنِ شعری اور حوالوں کے ساتھ درج ذیل اشعار کی تشریح کریں:

عبادت ہے سراپا جذبۂ تعمیرِ آزادی
شہادت مستقل اک سُرخیِ تحریرِ آزادی
جہاں آزاد کر سکتے نہ ہوں تقریرِ آزادی
وہ آزادی مری نظروں میں ہے تحقیرِ آزادی
فضائیں کر رہی ہیں ذوقِ ایثار و عمل پیدا
لہو میں دوڑتا ہے شعلۂ تاثیرِ آزادی

۷۔ احسان دانش کی نظم ''آزادی'' کا یہ شعر غور سے پڑھیں:

جو کہنا تھا اُسے ، سب کہ گیا قرآں کے پردے میں
زمانہ حشر تک کرتا رہے تفسیرِ آزادی

اس شعر میں غالباً علاّمہ اقبالؒ کی طرف اشارہ ہے۔ علاّمہ اقبالؒ کے درج ذیل اشعار پڑھیں اور ان کے نظریۂ آزادی و غلامی پر تبصرہ کریں:

غلامی کیا ہے؟ ذوقِ حُسن و زیبائی سے محرومی
جسے زیبا کہیں آزاد بندے، ہے وہی زیبا
بھروسا کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط مردانِ حُر کی آنکھ ہے بینا
وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمّت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا

احسان دانش کے درج ذیل شعر کی تشریح کریں:

جہاں آزاد کر سکتے نہ ہوں تقریرِ آزادی
وہ آزادی مری نظروں میں ہے تحقیرِ آزادی

۸۔ مولانا ظفر علی خاں کے درج ذیل اشعار پر تحریکِ آزادی کے تناظر میں تنقید اور تبصرہ کریں:

کوئی دن جاتا ہے پیدا ہو گی اک دنیا نئی
خونِ مسلم صَرفِ تعمیرِ جہاں ہو جائے گا
بجلیاں غیرت کی تڑپیں گی فضائے قدس میں
حق عیاں ہو جائے گا، باطل نہاں ہو جائے گا

نغمہ آزادی کا گونجے گا حرم اور دَیر میں
وہ جو دارُالحرب ہے ، دارالاماں ہو جائے گا

۹۔ ہندوستان کی آزادی کے لیے سلطان ٹیپو کی کوششوں کے موضوع پر دو دوستوں کے مابین مکالمہ تحریر کریں۔

سرگرمی برائے طلبہ:

- ''شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔'' کے موضوع پر مباحثے میں حصّہ لیں اور اپنے نقطۂ نظر کے حق میں دلائل دیں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام:

- دُرست تلفّظ اور اتار چڑھاؤ کے ساتھ نظم کی مثالی بلند خوانی کریں۔
- مرکّبات اور تراکیب کی وضاحت کریں۔
- شعری اصطلاحات کا تعارف مثالوں کے ساتھ کرائیں۔
- آزادی کی اہمیّت واضح کریں اور تاریخی، سیاسی، مذہبی اور سماجی حوالوں سے ادب پاروں کی تفہیم کا شُعور اجاگر کریں۔

رحمان باباؒ
(۱۶۳۲ء۔۱۷۱۱ء)

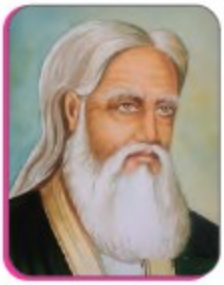

نام عبدالرحمان ہے۔ آپ پشاور کے قریب ''بہادر کلے'' ایک گاؤں میں پیدا ہوئے اور رحمان بابا کے نام سے مشہور ہوئے۔ والد کا نام عبدالستار تھا جو مہمند قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ فقہ اور تصوف کی تعلیم اپنے گاؤں کے جیّد عالمِ دین ملّا محمد یوسف سے حاصل کی۔ اس کے بعد کوہاٹ چلے گئے جہاں آپ نے جذب وسلوک کی منزلیں طے کیں۔ جوانی ہی میں گوشہ نشینی اختیار کر لی اور اکثر عشقِ ربانی میں ڈوبے رہتے۔

پشتو کے عظیم شاعر رحمان بابا ایک صاحبِ طرز شاعر ہیں جو دوسرے پشتو شعرا سے الگ اپنا مکتبِ فکر رکھتے ہیں۔ رحمان بابا کے کلام میں خودی کی تعلیم اور عالم گیر انسانی مساوات کا درس ملتا ہے۔ آپ کا پیغام محبت ہے۔ تمام انسانوں سے محبت، ساری کائنات سے محبت۔ اگر نفرت ہے تو ظلم سے، بے انصافی سے، استحصال سے، جبر وتشدد اور آمریت سے۔ یہی آپ کی متصوّفانہ شاعری کی اساس ہے اور یہی خصوصیت ہے جو انھیں دوسرے پشتو شعرا سے ممتاز کرتی ہے۔ مجموعی طور پر ان کے ہاں اخلاقی پہلو غالب ہے لیکن انھوں نے اس ناصحانہ اسلوب کو بھی خشک اور ناگوار نہیں رہنے دیا اسی لیے وہ پشتون شاعری کے ''حافظ شیرازی'' کہلاتے ہیں۔

پروفیسر محمد طٰہٰ خاں
(۱۹۳۱ء۔۲۰۱۳ء)

پروفیسر محمد طٰہٰ خان ایک کثیر الجہت شخصیت کے مالک تھے۔ انھوں نے علم وادب کے میدان میں مختلف پہلوؤں سے اپنی پہچان کروائی۔ وہ ایک قابل استاد تھے جو ان کی بنیادی حیثیت تھی۔ اپنے فرائضِ منصبی کے ساتھ ساتھ انھوں نے تنقید وتحقیق، شاعری اور ترجمہ کرنے میں بھی اپنے جوہر دکھائے۔ وہ ایک براڈ کاسٹر بھی تھے۔ ان سب صلاحیتوں کے علاوہ طنزیہ ومزاحیہ شاعری ان کی خاص پہچان ہے۔

انھوں نے عظیم پشتو شاعر رحمان بابا کے صوفیانہ کلام کا منظوم ترجمہ اردو زبان میں کیا جو ''متاعِ فقیر'' کے نام سے چھپ چکا ہے۔ حکومتِ پاکستان کی طرف سے ان کی ادبی خدمات پر ۲۰۰۷ء میں انھیں صدارتی تمغا برائے حسنِ کارکردگی عطا کیا گیا۔

سبق: ۱۶

کلام: رحمان بابا

منظوم اُردو ترجمہ: پروفیسر محمد طٰہٰ خاں

اِخلاص

تدریسی مقاصد:

- طلبہ کو رحمان بابا کی شخصیت اور فن سے متعارف کرانا۔
- طلبہ کو پشتو ادب کی امتیازی خصوصیات کے بارے میں بتانا۔
- طلبہ کو پاکستان کی علاقائی زبانوں میں صوفیانہ افکار سے آگاہ کرنا۔
- طلبہ کی اخلاقی تربیت کرنا اور فکرِ رحمان بابا کے آئینے میں اپنے کردار کو سنوارنے کی ترغیب دینا۔

ہم دوشِ ثریا ہے مقامِ اِخلاص
جو ملتا ہے، ملتا ہے غلامِ اِخلاص

گو فرش سے تا عرش سفر ہے دُشوار
طے کرتی ہے بہ یک جُنبش گامِ اِخلاص

فانی ہے ہر اک چیز ، ہر اک رسم و رواج
باقی ہے مگر ایک، دوامِ اِخلاص

اسلام ہے پابندیِ اخلاص کا نام
اور نام ہے اسلام کا نامِ اِخلاص

صیّاد کو ممکن ہے ہُما ہاتھ لگے
پھیلائے محبت سے جو دامِ اِخلاص

شیرینیِ گفتار پہ حیرت کیسی
ہے گفتۂ رحمان ، کلامِ اِخلاص

(متاعِ فقیر)

مشق

ا۔ مختصر جواب دیجیے۔

(الف) نظم ''اخلاص'' میں انسانی کردار کے کس اعلیٰ وصف کا ذکر کیا گیا ہے؟

(ب) ''ہم دوشِ ثریا'' کا مطلب و مفہوم کیا ہے؟

(ج) اخلاص کا ایک قدم انسان کو کس مقام اور مرتبے تک پہنچا دیتا ہے؟

(د) شاعر نے صیاد کو کس کامیابی کی نوید سنائی ہے؟

(ہ) گفتۂ رحمان کا مطلب کیا ہے؟

۲۔ نظم کے متن کے مطابق مصرعے مکمل کریں۔

(الف) گو فرش سے تا عرش ________ ہے دُشوار

(ب) طے کرتی ہے ________ گامِ اخلاص

(ج) اسلام ہے پابندیِ ________ کا نام

(د) اور نام ہے ________ کا نامِ اخلاص

(ہ) صیاد کو ممکن ہے ________ ہاتھ لگے

۳۔ درست جواب کی نشان دہی کریں۔

(i) نظم اخلاص ترجمہ کی گئی ہے:

(الف) پشتو زبان سے (ب) سندھی زبان سے (ج) بلوچی زبان سے (د) سرائیکی زبان سے

(ii) ہر کوئی غلام ہے:

(الف) دولت کا (ب) محبت کا (ج) اخلاص کا (د) عظمت کا

(iii) دنیا میں دوام حاصل ہے:

(الف) نیکی کو (ب) اخلاص کو (ج) محبت کو (د) جمال کو

(iv) پابندیِ اخلاص نام ہے:

(الف) جہاد کا (ب) قرآن کا (ج) اسلام کا (د) دین کا

(v) اس نظم کی ہیئت ہے:

(الف) غزل (ب) مخمس (ج) مسدّس (د) مثنوی

۴۔ پاکستان کی علاقائی زبانوں میں صوفیانہ کلام کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ پنجاب کے کسی بزرگ صوفی شاعر کے چند اشعار کے حوالے سے ان کا تعارف کرائیں۔

۵۔ درج ذیل شعر کی روشنی میں اخلاص کی وضاحت کریں:

صیّاد کو ممکن ہے ہُما ہاتھ لگے
پھیلائے محبت سے جو دامِ اِخلاص

۶۔ نظم ''اخلاص'' کا خلاصہ تحریر کریں۔

۷۔ نظم اخلاص میں استعمال ہونے والے مرکبات کے معنی لکھیں اور انھیں جملوں میں استعمال کریں۔

سرگرمی برائے طلبہ:

- طلبہ نظم اخلاص کے قوافی کی پہچان کرتے ہوئے، ان کی فہرست ترتیب دیں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

- طلبہ کو اس نظم کے پوشیدہ پیغام سے رُوشناس کرائیں۔
- صوفیانہ افکار کے حامل چند اُردو شعرا سے متعارف کرائیں۔

سیّد محمد جعفری
(۱۹۰۵ء۔۱۹۷۶ء)

طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں سیّد محمد جعفری کا نام بہت نمایاں ہے۔ سیّد محمد جعفری بھرت پور (ہندوستان) کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے اور تعلیم کے زیادہ تر مراحل لاہور میں طے کیے۔ ان کے والد سیّد محمد علی جعفری، جو اسلامیہ کالج، ریلوے روڈ، لاہور کے پرنسپل تھے اور تاریخ و فلسفہ کے عالم تھے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد سیّد محمد جعفری کے سامنے کسبِ معاش کا مسئلہ پیش آیا تو چند دن ''زمیندار'' سے وابستہ رہ کر صحافت کا شوق پورا کیا اور دو ایک اسکولوں کے بعد گورنمنٹ کالج لائل پور (فیصل آباد) میں پڑھایا اور پھر ۱۹۴۰ء میں محکمہ اطلاعات میں انفارمیشن آفیسر بن کر دہلی چلے گئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان آ گئے۔ ۱۹۶۴ء میں بحیثیت پریس اور کلچرل اتاشی مقرر ہوئے جہاں سے ۱۹۶۶ء میں ریٹائر ہوئے تو کراچی میں مستقل رہائش اختیار کر لی اور وہیں وفات پائی اور آسودۂ خاک ہوئے۔

سیّد محمد جعفری میں صغرسنی ہی سے مزاح کی حِس بہت تیز تھی اور شعر کہنے کا ملکہ بھی فطری طور پر موجود تھا، چناں چہ لڑکپن ہی سے فرضی صورتِ حال کو شعر کے قالب میں ڈھالنے لگے تھے۔ انھوں نے باقاعدہ کبھی کسی سے اصلاح نہ لی البتہ دورانِ ملازمت ان کا دو سال تک قیام لکھنؤ میں رہا تو وہاں ظریف لکھنوی، عزیز لکھنوی اور دوسرے اساتذہ کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ سیّد محمد جعفری، اکبر الہ آبادی کے بڑے مداح تھے اور انھیں اُردو کا سب سے بڑا مزاحیہ شاعر سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اکبر الہ آبادی کی طرح اُن کی نظموں کا بڑا موضوع بھی تہذیبی تضاد سے دوچار معاشرہ اور اردگرد کا ماحول ہے۔

سیّد محمد جعفری نہایت ذہین مزاح نگار تھے۔ ان کے یہاں مزاح کی لطافت اور شگفتگی زیادہ اور طنز کی تلخی کم ہے۔ وہ معاشرتی کرداروں اور اجتماعی زندگی کی منافقانہ صورتِ حال کو مزاح کے انداز میں عیاں کرتے ہیں۔ ان کی شاعری کے دو مجموعے ''شوخیِ تحریر'' اور ''تیرِ نیم کش'' ہیں۔ ان کے انتقال کے بعد ان کا تمام کلام ''کلیاتِ سیّد محمد جعفری'' کے نام سے شایع ہو چکا ہے۔ ان کی نظم ''کھڑا ڈنر'' مغرب کی دیکھا دیکھی ہمارے معاشرے میں شادی بیاہ کے موقعوں پر کھڑا ہو کر کھانے کے نظام کی صورتِ حال پر لطیف طنز ہے۔

سبق: ۱۷

کھڑا ڈِنر

تدریسی مقاصد:

- طلبہ کو مزاحیہ ادب بالخصوص مزاحیہ شاعری کے بارے میں آگاہ کرنا۔
- سیّد محمد جعفری کے مزاحیہ کلام کا جائزہ لینا۔
- نظم ''کھڑا ڈنر'' میں پیش کردہ منظر کی وضاحت کرنا۔
- طلبہ کو بتانا کہ مغربی تہذیب کی نقالی نے ہمارے رنگ ڈھنگ، نشست و برخاست اور طعام و کلام کو متاثر کیا ہے۔

کھڑا ڈنر ہے غریب الدّیار کھاتے ہیں — بنے ہوئے شُترِ بے مہار کھاتے ہیں
اور اپنی میز پر ہو کر سوار کھاتے ہیں — کچھ ایسی شان سے جیسے ادھار کھاتے ہیں
شکمِ غریب کی یوں فرسٹ ایڈ ہوتی ہے
ڈنر کے سائے میں فوجی پریڈ ہوتی ہے

کھڑے ہیں میز کنارے جو ایک پیٹ لیے — انھی نے کوفتے اپنے لیے لپیٹ لیے
اِدھر اُدھر کے جو کھانے تھے سب سمیٹ لیے — کھڑا تھا پیچھے سو مَیں رہ گیا پلیٹ لیے
یہ میز ہو گئی خالی اب اور کیا ہوگا
''پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحہ ہوگا''

تھی ایک مرغ کی ٹانگ اور رقیب لے بھاگا — مرا نصیب بھی جاگا، پہ دیر میں جاگا
کباب اُٹھایا تو اس میں لپٹ گیا دھاگا — ڈنر یہ کیا کہ نہ پیچھا ہے جس کا نے آگا
یہ کیا خبر تھی میں آیا تھا جب ڈنر کھانے
''حقیقتوں کو سنبھالے ہوئے ہیں افسانے''

وہ ایک میز خواتین گرد صف آرا — لبوں سے اُن کے رواں گفت گو کا فوّارہ
میں ایک گوشے میں سہما کھڑا ہوں بے چارہ — کہ یہ ہٹیں تو اٹھاؤں میں نان کا پارہ
اسیرِ حلقۂ خوباں جو مرغ و ماہی ہیں
تو ہم شہیدِ ستم ہائے کم نگاہی ہیں

(شوخیِ تحریر)

مشق

۱۔ مختصر جواب دیں:

(الف) ''کھڑا ڈنر'' کون کھاتے ہیں؟

(ب) ''پُلاؤ کھائیں گے احباب، فاتحہ ہوگا'' کس شاعر کے کلام سے تضمین کی گئی ہے؟

(ج) مرغ کی ٹانگ کون لے بھاگا؟

(د) ''شُترِ بے مہار'' سے کیا مراد ہے؟

(ہ) گفت گو کا فوّارہ کن کے لبوں سے رواں تھا؟

۲۔ درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) ''اُدھار کھانا'' اُردو قواعد کی رُو سے ہے:

(الف) ضرب المثل (ب) محاورہ (ج) روزمرّہ (د) تلمیح

(ii) فوجی پریڈ ہوتی ہے:

(الف) شجر کے سائے میں (ب) ڈنر کے سائے میں (ج) تلواروں کے سائے میں (د) دیوار کے سائے میں

(iii) مرغ کی ٹانگ لے بھاگا:

(الف) رقیب (ب) حریف (ج) نوجوان (د) بچّہ

(iv) ''آگا، پیچھا'' اُردو قواعد کی رُو سے ہیں:

(الف) ذو معنی الفاظ (ب) مرکّبِ عطفی (ج) متضاد الفاظ (د) مترادف الفاظ

(v) ''حقیقتوں کو سنبھالے ہوئے ہیں افسانے'' کے شاعر کا نام ہے:

(الف) افتخار عارف (ب) شاعر لکھنوی (ج) سلطان اختر (د) باقی صدیقی

۳۔ نظم کھڑا ڈنر میں شاعر نے کس طرح مزاحیہ کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے؟

۴۔ ذیل میں دیے گئے الفاظ و تراکیب کے معانی لکھیں اور انھیں جملوں میں استعمال کریں:

غریب الدّیار، شِکم، رَقیب، حقیقت، صف آرا، کم نگاہی

۵۔ نظم کے متن کے مطابق مصرعے مکمل کریں:

(الف) کھڑا ڈنر ہے _____ کھاتے ہیں

(ب) _____ غریب کی یوں فرسٹ ایڈ ہوتی ہے

(ج) کھڑے ہیں میز _____ جو ایک پیٹ لیے

(د) کباب اٹھایا تو اس میں _____ گیا دھاگا

(ہ) _____ کو سنبھالے ہوئے ہیں افسانے

رعایتِ لفظی: عبارت یا شعر میں کسی لفظ کو اس طریقے سے استعمال کرنا کہ پڑھنے یا سننے والے کو اس لفظ کے دو مختلف مطالب و مفاہیم کا احساس ہو اور اس سے مزاح کا تاثر بھی پیدا ہو، رعایتِ لفظی کہلاتا ہے۔ جیسا کہ اکبر الٰہ آبادی نے کہا ہے:

عاشقی کا ہو برا اس نے بگاڑے سارے کام
ہم تو اے بی میں رہے اغیار بی اے ہو گئے

اُردو اور پنجابی کے ممتاز مزاحیہ شاعر انور مسعود نے اپنے بہت سے قطعات میں رعایتِ لفظی سے خوب کام لیا ہے۔ ذیل میں دیا گیا ان کا ایک مشہور قطعہ رعایتِ لفظی کی بہترین مثال کے ساتھ ساتھ ہمارے موجودہ حالات سے مطابقت بھی رکھتا ہے:

جو ضرب بھی لگی ہے وہ پہلے سے بڑھ کے تھی
ہر ضربِ کرب ناک پہ میں تلملا اُٹھا
پانی کا ، سوئی گیس کا، بجلی کا ، فون کا
بل اتنے آگئے کہ مَیں بلبلا اٹھا

۶۔ نظم ''کھڑا ڈنر'' کے درج ذیل بند کی تشریح کریں:

کھڑا ڈنر ہے غریبُ الدّیار کھاتے ہیں
بنے ہوئے شُتُرِ بےمہار کھاتے ہیں
اور اپنی میز پر ہو کر سوار کھاتے ہیں
کچھ ایسی شان سے جیسے ادھار کھاتے ہیں
شکمِ غریب کی یوں فرسٹ ایڈ ہوتی ہے
ڈنر کے سائے میں فوجی پریڈ ہوتی ہے

۷۔ نظم ''کھڑا ڈنر'' کا خلاصہ لکھیں۔

۸۔ شاملِ نصاب نظم ''کھڑا ڈنر'' چار بندوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے پہلے دو بندوں کی ردیف کیا ہے؟ قوافی کی فہرست بھی مرتب کریں۔

سرگرمی برائے طلبہ:

- طلبہ انٹرنیٹ کی مدد سے یا اپنے کالج کی لائبریری سے طنز و مزاح کے کسی اور معروف شاعر جیسے: دلاور فگار، سید ضمیر جعفری، شان الحق حقی وغیرہ کی منتخب مزاحیہ نظمیں تلاش کریں اور اپنی جماعت کے کمرے میں پڑھیں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام:

- اساتذہ کرام طلبہ کو سید محمد جعفری کی شخصیت سے متعارف کراتے ہوئے ان کی مزاحیہ شاعری کی خصوصیات کے بارے میں تفصیل سے بتائیں۔
- اساتذہ کرام طلبہ کو رعایتِ لفظی کی تفہیم کراتے ہوئے انھیں مختلف نثری اور شعری مثالوں کی مدد سے سمجھائیں۔

میر تقی میرؔ
(۱۷۲۳ء۔۱۸۱۰ء)

میر محمد تقی نام اور میرؔ تخلص تھا۔ آگرہ میں پیدا ہوئے۔ والد سیّد علی نقی ایک درویش منش انسان تھے اور تصوف سے بہت گہرا تعلق رکھتے تھے۔ میرؔ کے والدین ان کے بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔

اس سانحہ کے بعد میرؔ آگرہ کو خیر باد کہہ کر دہلی آ گئے۔ دہلی میں اپنی سوتیلی والدہ کے بھائی سراج الدین احمد خاں آرزو (جو خود بھی فارسی کے بہت بڑے عالم، لغت نویس اور شاعر تھے۔) کے پاس ٹھہرے، مگر جلد ہی آگرہ واپس آ گئے۔ کچھ عرصہ آگرہ میں گزارا اور پھر دہلی تشریف لے آئے۔ مختلف اُمرا کے درباروں سے منسلک رہے اور تنخواہ پاتے رہے، مگر وہ زمانہ سخت تباہ حالی اور بدامنی کا تھا، لہٰذا میرؔ صاحب کہیں ٹِک کر ملازمت نہ کر سکے۔ بہت سے شعرا سلطنتِ اَوَدھ کی خوش حالی اور آرام طلب ماحول کے باعث لکھنؤ جا کر آباد ہو رہے تھے۔ میرؔ بھی نواب آصف الدولہ کی دعوت پر لکھنؤ چلے گئے مگر وہاں اپنی طبعی خود پسندی کے باعث جلد ہی دربار سے علیحدہ ہو گئے۔ آخری عمر تنگ دستی میں گزری۔ لکھنؤ میں وفات پائی۔ تدفین بھی وہیں ہوئی۔ ان کی قبر کے کتبے پر ان کا یہ شعر کندہ ہے:

سرہانے میرؔ کے آہستہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

میرؔ کو ''خدائے سخن'' کہا جاتا ہے۔ انھوں نے اپنے عہد کی تمام مروّجہ اصنافِ سخن قصیدہ، مثنوی، رباعی، قطعہ، مرثیہ، واسوخت اور غزل میں طبع آزمائی کی لیکن بنیادی طور پر ان کی پہچان غزل گوئی ہے۔ میرؔ کے ذاتی تجربات، ان کے گرد و پیش اور خاندان میں جاری صوفیانہ روایت نے ان کی اُردو غزل کو منفرد رنگ بخشا۔ میرؔ کی غزل میں احساس کی شدّت، مشاہدے کی وسعت، سادگیِ بیان، بے ساختگی، رمز و ایمائیت، موسیقیت و ترنّم، تجربے کی گہرائی اور قدرتِ ادا کی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ میرؔ کی عظمت کو بعد کے تمام شعرا نے تسلیم کیا ہے، جیسا کہ مرزا غالبؔ نے کہا ہے:

ریختے کے تمھی استاد نہیں ہو غالبؔ
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میرؔ بھی تھا

میرؔ کی تصانیف میں چھے دیوان (اُردو)، ایک دیوان (فارسی)، اُردو شاعروں کا ایک تذکرہ ''نکات الشعرا''، ان کی آپ بیتی ''ذکرِ میرؔ'' (بزبانِ فارسی) اور چند متفرق رسائل شامل ہیں۔

فرہنگ

(بہ لحاظ الف بائی ترتیب)

فرہنگ میں الفاظ کے بالعموم وہی معانی دیے ہیں جو متن سے مطابقت رکھتے ہیں۔

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
	(۱) حمد	سرو و دلبراں	دوستوں اور محبوبوں کے سردار
اُفق	دنیا، آسمان کا کنارہ	شاہد	گواہ جو کسی بات کی تائید یا تردید کرے
بابِ شہود	ظاہر ہونے والا دروازہ	عالی نسب	اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھنے والے
جبل	پہاڑ، کوہ	ضَو	کرن، روشنی
حرفِ وفا	وفا کی عبارت	قابِ قوسین	دو کمان کا فاصلہ، مراد: بہت قریب
حشر بپا ہونا	قیامت برپا ہونا، ہنگامہ ہونا	قریں	نزدیک
دوام	ہمیشہ ہمیشہ	یارا نہیں	جرأت نہیں، ہمت نہیں
رنگِ جمال	خوب صورتی		
روش	باغ میں چہل قدمی کا راستہ		**(۳) اخلاق نبوی** صلی اللہ علیہ وسلم
سوزاں	جلتا ہوا، بھڑکتا ہو	آب دیدہ ہونا	آنکھوں میں آنسو آنا، آنسو بہانا
شانِ جلال	رعب و دبدبہ	اِبہام	پوشیدگی، عدم وضاحت
شعلہ نوا	گرم گفتار	استقامت	پامردی، ثابت قدمی
مرقوم	لکھا ہوا	استقلال	ثابت قدمی، ڈٹے رہنا
مکتوم	پوشیدہ، مخفی	اصحابِ صُفّہ	وہ صحابہ کرامؓ جو ایک چبوترے پر قیام کرتے تھے
موجِ کرم	سخاوت۔ عنایت کی لہر	اہلِ عجم	غیر عرب لوگ
نجوم بکف	ہتھیلی پر رکھے ستارے	پاسِ حیا	حیا کا خیال
	(۲) نعت	تعمیم	عمومیت، عام کرنا
انفس	نفوس، لوگ، انسان	دقیق نکتہ	غور و تحقیق سے سمجھ میں آنے والا نکتہ
بزمِ کونین	دنیا اور آخرت کی بزم	ردا	چادر، کملی
بہ صدق و یقیں	سچائی اور یقین کے ساتھ	سُنن	سنّت کی جمع
حزیں	غمگین، دکھی، رنجیدہ	صیغہ	شعبہ، انداز
دُرِّ ثمیں	بیش قیمت موتی	عُسرت	تنگی، مفلسی
دسترس	رسائی، پہنچ	غیر متبدل	تبدیل نہ ہونے والا
دُود مان	خاندان، قبیلہ، کنبہ	فدیہ	خوں بہا، جان کا معاوضہ
زلفِ تاباں	بل کھائے ہوئے بال، چمک دار بال	فرطِ محبت	زیادہ پیار ہونا
سرمدی	دائمی، دوامی	فطرتِ ثانیہ	دوسری فطرت جو مزاج کا حصّہ بن جائے
		گرانی	بھاری پن، بدہضمی

لطفِ طبع	مزاج کی لطافت، عمدہ طبیعت
مُداوَمت	ہمیشہ
مقدّم	پہلا، اوّلیت کا حامل
ممولا	ایک پرندہ جس کے پیٹ پر کالی دھاریاں ہوتی ہیں

(۴) فاقہ میں روزہ

افلاس	مفلسی
اوّلِ شب	رات کا پہلا حصّہ
بہ ہزار وقت	بہت مشکل سے
بھادوں	ہندی سال کا چھٹا اور برسات کا آخری مہینا
تاراج ہونا	کسی مقام کا تباہ یا ویران ہونا
تیغ و تفنگ	تلوار اور بندوق
ٹھالی	بے کار، خالی، نکمّا
جواہر نگار	مرصع، جڑاؤ، جس میں جواہرات لگے ہوں
چوپاڑ	چوپال
دال سیو	دال سویاں
رتھ	دو پہیوں والی بیل گاڑی
زیر و زبر ہو	الٹ پلٹ جانا
صلاح	مشورہ
گے بیرا	ہمیں کیا خبر
گے کام	کیا کام
لہو و لعب	کھیل تماشا
مراقبہ	گیان دھیان، سوچ بچار
مکلّف	پُر تکلف
واگزاشت	قبضہ چھڑانا، آزاد، بحال
ہوائیاں اڑ	چہرے کا رنگ فق ہونا

(۵) مکاتیبِ غالب

اِحتمال	اندیشہ، امکان
اگال دان	پیک دان، تھوکنے کا برتن
بلادِ شرقیہ	مشرقی ممالک رشہر
پایانِ کار	آخر کار، الغرض
توشہ خانہ	پارچہ خانہ، سٹور
ثمرِ نورس	تازہ پکا پھل مجازاً جوان اولاد
چلمچی	بڑا برتن جو ہاتھ دھونے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے
حبسِ دوام	عمر قید
دالان	بڑا اور لمبا کمرہ، صحن، برآمدہ
دید وا دید	میل ملاقات
رُوبکاری	مقدمے کی پیشی
زندان	قید خانہ
زِنہار	ہرگز نہیں
صاحبِ فراش	بیمار، علیل
عالمِ آب و گل	پانی اور مٹی کا جہاں مراد: دنیا
فصد	رگ سے خون نکلوانا
گریز پا	بھاگنے کے لیے تیار، گریزاں
مُحبَس	قید خانہ، زنداں
محل ہے	جگہ ہے
مسموع	سنا گیا، قبول کیا گیا
مسوّدات	مسوّدہ کی جمع، غیر مطبوعہ نسخے
مسہل	قبض دور کرنے والی دوا
ناتواں	کمزور، ضعیف
نہال	پودا، پھل دار درخت
یک قلم	بالکل، یک لخت، فوراً

(۶) ایک اُستاد عدالت کے کٹہرے میں

احترامِ فائقہ	بہت زیادہ عزت و احترام
بانی	قافیہ دار جملے
براجمان ہونا	تشریف فرما ہونا
براڈ کاسٹنگ	ریڈیو کے ذریعے سے آواز دور دور پہنچانا
تشنج	اینٹھن، جھٹکے کی بیماری
حکم عدولی کرنا	حکم کی خلاف ورزی کرنا
دیارِ غیر	پردیس، غیر ملک

ریکٹر — وائس چانسلر
سٹی گم ہونا — حواس باختہ ہونا، گھبرا جانا
فارنر — غیر ملکی (Foreigner)
فیوڈل لارڈ — جاگیردار
قیلولہ کرنا — دوپہر کو کھانے کے بعد آرام کرنا
لاابالی طبیعت — غیر سنجیدہ مزاج
ہانک رہا تھا — فضول باتیں کر رہا تھا

(۷) چارپائی

آئی سی ایس — انڈین سول سروس
بیگ پچی — پوٹلی
تاملوٹ — پانی پینے کا برتن، گڑوی
توقف کرنا — وقفہ کرنا
جوشاندہ — جوش دی ہوئی دوا، کاڑھا
خوانچہ — چھابڑی
سمن — عدالت میں حاضر ہونے کا تحریری حکم
شکستہ حال — پریشان، خستہ حال
فکرِ سخن — وہ غور و فکر جو شعر کہنے کے واسطے ہوتا ہے
کوچ — گدے دار نشست
گوشۂ چمن — چمن کا کونا
گھٹی میں پڑنا — خمیر یا فطرت میں ہونا
لبِ گور — قبر کے کنارے، مرنے کے قریب
لوازم — لازم کی جمع، ضروری سامان
نقشِ سلیمانی — حضرت سلیمانؑ سے منسوب

(۸) اور پاکستان بن گیا

بلکنا — سسکیاں بھر کے رونا، مچل کر رونا
بوکھلانا — بدحواس ہونا
بھرا پُرا گھر — پررونق گھر
بے سُدھ — بے خبر
پاؤں نکالنا — حد سے تجاوز کرنا
پٹ کھولنا — دروازہ کھولنا
تار — برقی پیغام، ٹیلی گراف
تڑی پڑی ہونا — پریشان ہونا، بکھر جانا
خون کی ہولی کھیلنا — حد درجہ قتل و خون ریزی کرنا
دام غارت جائیں — پیسے ضائع ہوں
دھیرے سے — آہستہ سے
ڈبڈباتی آنکھیں — آنسو بھری آنکھیں
سر دھڑ کی بازی لگانا — جان پر کھیل جانا، خود کو قربان کرنا
سر سہلانا — سر پر ہاتھ پھیر کر تسلّی کی باتیں کرنا
نڈھال ہونا — کمزور ہونا
نیم دیوانگی — پاگلوں کی سی کیفیت

(۹) نیا قانون

آتشیں بگولا — آگ کا بگولا
آہنی چھت — لوہے کی چھت
بالائی حصّہ — اوپر کا حصّہ
بیاج — سُود
بیش تر — زیادہ تر
پیشین گوئی — کسی واقعے کے ظاہر ہونے سے پہلے خبر دینا
تحریکِ سرخ پوش — باچا خان کی تحریک
تھوتھنی — کسی جانور کا منھ
ٹُوڈی بچہ — انگریزوں کا پٹھو، چاپلوس، خوشامدی
چشمِ زدن میں — پلک جھپکنے میں
خلط ملط کرنا — گڈمڈ کر دینا
خیرہ کن — آنکھوں کو چندھیانے والا، حیرت انگیز
درخشاں و تاباں — روشن اور چمک دار
رعونت سے — تکبر اور غرور سے
سوویت اشتراکی نظام — روس میں رائج سوشلزم کا نظام
ششدر و متحیّر — حیران ہونا
طوعاً و کرہاً — مجبوراً

عملی تشکیل	عملی صورت، عملی شکل
غیر مرئی	نظر نہ آنے والی
قیاسات	اندازے
کلغی	گھوڑے کے چہرے کا زیور
کوڑھ	جذام، برص کی بیماری
لرزش	کپکپی، خوف
مارواڑی	مارواڑ کا رہنے والا
متانت سے	سنجیدگی سے
مدبرانہ انداز	تدبر اور دانش مندی کا انداز
مکدّر	مَیلا، آلودہ
ملعون	لعنتی
مَنہاری	ایک سٹور جہاں ہر شے کی خریداری کی جاسکتی ہے
ناک میں دم کرنا	بہت تنگ کرنا

(۱۰) دہلیز

آزردگی	رنج، ملال
اثبات میں	ہاں میں
بے چینی	پریشانی
تذبذب	غیر یقینی حالت
تیزگام	تیز رفتار، پاکستان ریلوے کی ایک ٹرین کا نام
جواز	صحیح یا درست ہونا
چکمہ دینا	دھوکا دینا، فریب دینا
زائل ہونا	دور ہونا، معدوم ہونا
کفارہ	تلافی، بدلہ
لاجواب ہونا	جواب نہ بن پڑنا

(۱۱) تاریخ کا کفن

اڑتی نگاہ	سرسری نظر
انواع	نوع کی جمع، اقسام
بَن مانس	بندر جو انسان سے مشابہ ہوتا ہے
بھانت بھانت کے	طرح طرح کے
تارکول	سڑکوں پر بچھایا جانے والا سیاہ سیال مادہ
تیس مار خانی دکھانا	زبردست دھونس دکھانا
دُرگت بنانا	مارنا پیٹنا
رخنہ ڈالنا	خلل پیدا کرنا
زیر و بم	نشیب و فراز، اتار چڑھاؤ
شُہدا	بدمعاش، لفنگا
صلیب	سولی، دار
طویل قامت	دراز قد، قد و قامت میں لمبا
عمل دار	حاکم، عامل
فرش گزیں ہونا	زمین پر گرنا
فی البدیہہ	فوراً، بغیر توقف
مترنم انداز	گانا گانے کی انداز میں
نحیف و نزار	بہت زیادہ کمزور، لاغر
نووارد	نیا آنے والا
ہلہ بولنا	حملہ کرنا، چڑھائی کرنا

(۱۲) پاکستانی زبانیں اور ان کا باہمی رشتہ

آمیزش	ملاوٹ
استفادہ کرنا	فائدہ اٹھانا
بیش بہا	قیمتی، عمدہ، زیادہ
پاسداری	طرف داری، حمایت
پیوست ہونا	دو چیزوں کا باہم مل جانا
تغیرات	تبدیلیاں
تمدّن	رہن سہن، طرزِ معاشرت
جھنکار	گھنگھرو، پازیب وغیرہ کی آواز
خدوخال	چہرہ مہرہ، شکل و صورت کی ساخت
لسانی روابط	زبانوں کے باہمی رشتے
لوک ادب	عوامی ادب
مرورِ زمانہ	وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ

مقدور بھر — جہاں تک ہو سکے
وقیع — باوقار، بلند مرتبہ، معزز
ہمہ گیری — وسعت، پھیلاؤ

(۱۳) اے وادیٔ لولاب!

بے سوز — رنج اور غم کی کیفیت سے خالی
بے تاب — بے صبر، بے چین
سیماب — پارہ، مراد: بے قرار، مضطرب
صاحبِ ہنگامہ — آواز یا شور برپا کرنے والا
فراست — دانائی، ذہانت، تیز فہمی
فُغانِ سحری — صبح کے وقت کی آہ و زاری، فریاد
مرغانِ سحر — صبح کے پرندے
مضراب — موسیقی کے ساز خصوصاً ستار وغیرہ بجانے کا ایک چھوٹا سا آلہ
موقوف — منحصر
مئے ناب — خالص شراب
نایاب — ناپید، بیش قیمت
نوائے جگر سوز — جگر کو جلانے والی آوازیں

(۱۴) او دیس سے آنے والے بتا

احباب — دوست، پیارے، یار
برکھا — برسات
چاہ — چاہت، محبت، خواہش
ریحان — ایک تیز خوش بودار پودا
سرمست — متوالا، سرشار، مدہوش، کیف و وجد کے عالم میں
سرو — ایک سیدھا لمبا مخروطی شکل کا درخت
غُربت — وطن سے دوری، پردیس
کنعان — فلسطین کا قدیم نام جو حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کا وطن تھا
گھنگھور گھٹا — سیاہ اور گہرا بادل
گھنیرے — درخت جن کی شاخیں پاس پاس اور بہت سی ہوں
مہتاب — چاند، قمر، چاندنی

(۱۵) آزادی

بزم — محفل
پیغامِ عالم گیر آزادی — دنیا بھر کے انسانوں کی آزادی کا پیغام
تاثیرِ آزادی — جذبۂ آزادی کا اثر
تحقیرِ آزادی — آزادی کی توہین
تحیّر — حیرت
تعبیرِ آزادی — آزادی کے خواب کی عملی صورت
تنویر — کرن، روشنی
حشر تک — قیامت تک
ذوقِ ایثار و عمل — قربانی اور عمل کا ذوق و شوق
رہرو — مسافر
زیبِ طاقِ نسیاں — مراد ہے یکسر بھلا دیا جانا
سرخیِ تحریرِ آزادی — پروانۂ آزادی کی جلی سرخی
غلام ابنِ غلام — نسل در نسل غلامی
قندیلیں — شمعیں
کتاب اللہ — اللہ کی کتاب، قرآنِ مجید
گردشِ گردوں — آسمان کی گردش، مراد: زمانے کی گردش

(۱۶) اِخلاص

اِخلاص — خلوص، سچّی ہمدردی
بہ یک جنبش — ایک ہی اشارے سے
صیّاد — شکاری
فنا ہونا — مٹ جانا
گفتار — گفت گو
گفتۂ رحمٰن — رحمان بابا کا کلام
ہُما — خوش نصیبی کا ایک فرضی پرندہ
ہم دوش — برابر، شانہ بہ شانہ

(۱۷) کھڑا ڈنر

اُدھار کھانا — تُل جانا

اسیرِ حلقۂ خوباں	حسینوں کی محبت میں گرفتار
رقیب	مخالف، دشمن
سہما ہوا	ڈرا ہُوا
شترِ بے مہار	(مجازاً) بے لگام، بے قابو
شہیدِ ستم ہائے کم نگاہی	بے پروائی کے ستم کے مارے ہوئے
صف آرا	لڑائی کے لیے آمادہ
غریب الدّیار	پردیسی، مسافر
فرسٹ ایڈ	ابتدائی طبّی امداد
مُرغ و ماہی	پرندے اور مچھلیاں
نان کا پارہ	روٹی کا ٹکڑا
نَے	(کلمۂ نفی) نہ، نہیں

(۱۸) غزل: میر تقی میر

آبِ تیغ	تلوار کی چمک، دھار
آبِ گوارا	لطیف اور خوش ذائقہ پانی
پُتلی	آنکھ کا گول سیاہ حصّہ
جی کا زیاں	دل کا نقصان، مراد: دل ہارنا
چارہ گری	علاج، درماں
چشم	آنکھ، نظر
دلبر	پیارا
صیّاد	شکاری

(۱۹) غزل: فراق گورکھپوری

ایسوں کا	اس طرح کے لوگوں کا
ترکِ محبت	محبت سے کنارہ کشی کرنا
جلوہ گہِ ناز	محبوب کے نظارے اور دیدار کا مقام
رنجش	ناراضی، کدورت
سودا	جنون
شکیبا	برداشت کرنے والا، صبر کرنے والا
یگانہ	سچا دوست، قریبی ساتھی

اکتانا	بیزار ہونا
بے چین	بے قرار
دہکانا	آگ بھڑکانا
شیوہ	دستور
لبِ لعلیں	لعل جیسے ہونٹ، سرخ ہونٹ

(۲۱) غزل: احمد فراز

برپا ہونا	منعقد ہونا، قائم ہونا
پابجولاں	مقیّد، بیڑیاں پہنے ہوئے (مجازاً) چلنے سے معذور و مجبور
پاسِ وفا	وعدے کا خیال کرنا، وفا کا خیال کرنا
جاناں	محبوب، پیارا
ظلمتِ شب	رات کی سیاہی
مراسم	تعلقات

(۲۲) غزل: پروین شاکر

استعارہ	علمِ بیان کی ایک اصطلاح، لفظی معنی: مستعار لینا، قرض لینا، عارضی طور سے مانگ لینا
بادباں	وہ پردہ جو ہوا بھرنے یا ہوا کا رخ بدلنے کے لیے کشتی یا جہاز پر لگاتے ہیں
بنامِ دل	دل کے نام پر
بے بسی	لاچاری
پسپا ہونا	شکست کھانا، پیچھے ہٹنا
خسارہ	نقصان
زد میں	نشانے پر
زیاں	نقصان گھاٹا
شباہت	ملتی جلتی صورت
شبِ ہجراں	جدائی کی رات
صف آرا ہونا	جنگ کے لیے صفیں درست کرنا
مُشتِ خاک	مٹھی بھر خاک، بے حقیقت چیز، مراد: انسان